جمادی الاولیٰ۔ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ
جنوری۔ مارچ ۲۰۲۰ء

سہ ماہی

حکمت قرآن

لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول: سُورۃ الفاتحہ و سُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات: 360، قیمت 500 روپے

حصہ دوم: سُورۃ آل عمران تا سُورۃ المائدہ
صفحات 326، قیمت 500 روپے

حصہ سوم: سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
صفحات 331، قیمت 500 روپے

حصہ چہارم: سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
صفحات 394، قیمت 550 روپے

حصہ پنجم: سُورۃُ مریَم تا سُورۃُ السَّجدۃ
صفحات 480، قیمت 750 روپے

حصہ ششم: سُورۃُ الاحزاب تا سُورۃُ الحجرات
صفحات 484، قیمت 750 روپے

حصہ ہفتم: سُورۃُ قٓ تا سُورۃُ النّاس
صفحات 560، قیمت 800 روپے

(مکمل سیٹ: 4300 روپے)

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل

انبیاء ورُسل علیہم السلام کا مقصدِ بعثت اور تشکیلِ اُمت کا قرآنی بیانیہ	حافظ عاطف وحید	3

تذکّر وتدبّر

مِلاکُ التأویل (۲۰)	ابوجعفر احمد بن ابراہیم الغرناطی	11

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید' مع صرفی ونحوی تشریح	افاداتِ حافظ احمد یارؒ	27

دعوتِ فکر

فکرِ اقبال کی روشنی میں اُمتِ مُسلمہ کے مستقبل کی تشکیلِ نو	انجینئر مختار حسین فاروقی	41

حسنِ معاشرت

زوجین میں علیحدگی اور اصول واحکامِ شریعت	پروفیسر حافظ قاسم رضوان	52

کتاب نما

تعارف وتبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	75

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انبیاء ورُسل علیہم السلام کا مقصدِ بعثت اور تشکیلِ اُمت کا قرآنی بیانیہ

حافظ عاطف وحید

قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر انبیاء اور رسل علیہم السلام کی من جملہ بعثت کا مقصد اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت نہایت واضح اور شاندار الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ علاوہ ازیں کارِ نبوت و رسالت کے اعتبار سے اُمتِ مسلمہ کی بنیادی اور انتہائی ذمہ داریاں بھی بیان ہوئی ہیں۔ بسا اوقات لاعلمی کی بنا پر یا خارجی حالات کے دباؤ کے سبب سے ذمہ داریوں کی تعیین میں ایسے مغالطے لاحق ہو جاتے ہیں کہ بات انتہاؤں کی طرف نکل جاتی ہے اور افتراق وتشتّت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ اس معاملے میں قرآنی نصوص کو مستند تفاسیر[1] کی رہنمائی میں سامنے لایا جائے تا کہ راہِ اعتدال معلوم ہو سکے۔

انبیاء ورُسل علیہم السلام کے مقصدِ بعثت کے حوالے سے ایک خاص الخاص مقصد وہ ہے جو سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں بیان ہوا ہے:

﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۵﴾﴾

’’یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں‘ اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں سخت جنگی صلاحیت ہے اور اس کے فائدے کے کام بھی ہیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ کون ہے جو اللہ کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بن دیکھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوی ہے زبردست ہے۔‘‘

اس آیت کی تفسیر کے حوالے سے علماء کو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے بھیجے جانے کا ایک بڑا مقصد لوگوں کو عدل وانصاف پر قائم کرنا ہے۔ اس آیت میں تین چیزوں کے اتارے جانے کا بیان ہے‘ یعنی کتاب‘ ترازو اور لوہا۔ جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو وہ اس لیے کہ لوگ عقائد اور اخلاق واعمال میں سیدھے اور انصاف کی راہ چلیں‘ افراط وتفریط کے راستے پر قدم نہ ڈالیں۔ اور ترازو اس لیے پیدا کیا گیا کہ بیع وشراء اور ادائیگی

حقوق وغیرہ ایسے معاملات میں انصاف کا پلڑا کسی طرف اُٹھا یا جھکا نہ رہے۔

نیز یہ آیت ان حدود کا پتا بتلاتی ہے جن سے انصاف کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہ سرکش و معاند جو نہ کسی دلیل سے مانتا ہے نہ ترازو کی تقسیم کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہے' اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا میں عدل وانصاف قائم نہ ہونے دے گا اور نہ ترازو کی تقسیم کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہوگا۔ اس کو پابند کرنا لوہے اور تلوار کا کام ہے جو حکومت اور سیاست کرنے والے درجہ مجبوری میں استعمال کرتے ہیں۔ لوہے کا ذکر آخر میں فرمایا گیا' جس سے ثابت ہوا کہ خلقِ خدا کی اصلاح اور انہیں عدل وانصاف پر قائم کرنا درحقیقت ذہنوں کی تربیت اور تعلیم سے ہوتا ہے' حکومت کا زور زبردستی والا کردار دراصل اس کام کے لیے نہیں ہے' بلکہ راستے سے رکاوٹ دور کرنے کے لیے ہے۔ اصل چیز ذہنوں کی تربیت اور تعلیم وتلقین ہے۔

آیت میں بیان شدہ تینوں نازل کردہ چیزوں یعنی کتاب (و بیّنات)' میزان اور لوہے کے ساتھ انبیاء ورسل ﷩ کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ دنیا میں انسان کا رویہ اور انسانی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی عدل پر قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خدا کے حقوق' اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگانِ خدا کے حقوق جن سے اس کو کسی طور پر سابقہ پیش آتا ہے' ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کرے' اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے۔ تمدّن اور تہذیب کا ہر پہلو افراط وتفریط سے محفوظ ہو' حیاتِ اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح توازن قائم ہو اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض بھی ادا کریں۔ انبیاء ورسل ﷩ کی بعثت سے بنیادی مقصود عدلِ انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی۔ وہ ایک ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذہن' اس کی سیرت' اس کے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن پیدا ہو' اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی' اخلاقی اور مادی فلاح میں مانع اور مزاحم ہونے کے بجائے معاون اور مددگار ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ شریعت اسلامی کا تعلق صرف فلاحِ آخرت سے نہیں بلکہ اس دنیا کے پورے انتظامات سے بھی ہے اور شریعت کے اس دنیاوی اور انتظامی عنصر کی خصوصی اہمیت اسی آیت کے الفاظ سے خوب خوب ظاہر ہو رہی ہے۔

انبیاء ورسل ﷩ کی بعثت' اور خاص طور پر نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کے مقاصد کے بیان میں قرآن حکیم کا دوسرا وضاحتی مضمون وہ ہے جو سورۃ البقرۃ' آیت ۱۲۹ اور ۱۵۱' سورۂ آلِ عمران' آیت ۱۶۴ اور سورۃ الجمعۃ' آیت ۲ میں بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین مقاصد بطورِ فرائض رسول بیان ہوئے ہیں۔ پہلا مقصد تلاوتِ آیات' دوسرا تعلیم کتاب وحکمت اور تیسرا مقصد تزکیہ بیان ہوا ہے۔ فرائض رسول ﷺ کے بیان میں تلاوتِ آیات کو مستقل فرض کی حیثیت دے کر اس امر کی تنبیہ کردی گئی ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت اور ان کی حفاظت اور ان کو ٹھیک اسی لب ولہجے میں پڑھنا جس پر وہ نازل ہوئے ہیں ایک مستقل فرض ہے۔ دوسری جانب تعلیم کتاب کو جداگانہ فرض قرار دے کر بتلا دیا گیا کہ محض سن لینا فہمِ قرآن کے لیے عربی زبان جاننے

والوں کے واسطے بھی کافی نہیں‘ بلکہ تعلیم رسول ﷺ ہی کے ذریعے قرآنی تعلیم کا صحیح علم حاصل ہوسکتا ہے۔ قرآن کو تعلیماتِ رسول ﷺ سے جدا کر کے خود اور براہِ راست سمجھنے کی فکر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ العلیم اور الحکیم ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے علوم وفنون کی نسبت مضامین قرآنی کی تعلیم وتفہیم کے لیے معلم کی زیادہ ضرورت ہے اور یہ کہ عام استاد بھی کافی نہیں بلکہ ان مضامین کا استاد صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جس کو حق تعالیٰ سے بذریعہ وحی شرفِ ہم کلامی حاصل ہو۔ تعلیم کتاب کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے فرائض میں تعلیم حکمت بھی رکھی گئی ہے۔ حکمت کے عربی زبان کے اعتبار سے اگرچہ کئی معنی ہوسکتے ہیں لیکن ان آیات میں صحابہؓ اور تابعینؒ نے حکمت کی تفسیر سنت رسول ﷺ سے کی ہے‘ جس سے واضح ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کے ذمے جس طرح معنیٔ قرآن کا سمجھانا اور بتلانا فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تعلیم اور تربیت کے اصول وآداب‘ جن کا نام ’سُنّت ہے‘ کی تعلیم بھی آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا))۔ اور اسی لیے جب حضرت محمد ﷺ کا مقصدِ وجود معلّم ہونا ہے تو آپ ﷺ کی اُمت کا بنیادی مقصدِ وجود طالب علم ہونا لازم ہوگیا۔ اس لیے ہر مسلمان مرد یا عورت کو بحیثیت مسلمان ایک طالب علم ہونا چاہیے جس کو تعلیماتِ رسول ﷺ کی لگن ہو‘ اور اگر علومِ قرآن وسنت کی مکمل تفصیلات اور اس میں مہارت کے لیے ہمت وفرصت نہیں ہے تو بھی اسے بقدرِ ضرورت علم حاصل کرنے کی فکر چاہیے۔

آیاتِ مذکورہ میں آنحضرت ﷺ کے فرائض منصبی میں سے تیسرا فرض تزکیہ بیان ہوا ہے جس کے معنی ہیں ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرنا۔ ظاہری نجاست سے عام مسلمان بخوبی واقف ہیں‘ باطنی نجاسات کفر اور شرک‘ غیر اللہ پر اعتماد وتوکّل اور اعتقادِ فاسد‘ نیز تکبر‘ حسد‘ حُبِ دنیا وغیرہ ہیں۔ اگرچہ علمی طور پر قرآن وسنت کی تعلیم میں ان سب چیزوں کا بیان آ گیا ہے لیکن تزکیہ کو آپ ﷺ کا جداگانہ فرض قرار دے کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اسی طرح نظری وعلمی طور پر فن حاصل ہوجانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کسی مربی کے زیر نظر اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے مقصدِ بعثت کے بیان میں تیسرا اسلوب اور پیرایہ وہ ہے جو سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳‘ سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورہ الصّف کی آیت ۹ میں بیان ہوا ہے۔ ان آیات کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن حکیم اور دینِ حق یعنی دینِ اسلام دے کر اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کو دنیا کے تمام بقیہ دینوں پر غالب کردے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت خصوصی کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ سرزمین حرم کفر اور شرک کی ہر آلائش سے پاک ہوجائے اور دینِ حق کے سوا کوئی اور دین یہاں غالب دین کی حیثیت سے باقی نہ رہے‘ تاکہ دعوتِ ابراہیمی کا یہ مرکز دعائے ابراہیمی کے مطابق تمام عالَم کے لیے ہدایت اور روشنی کا سرچشمہ بن جائے۔ تفسیرِ مظہری میں ہے کہ دین اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کرنے کی خوش خبری اکثر زمانوں اور اکثر حالات کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روئے زمین پر کوئی کچا پکا مکان باقی نہ رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہوجائے‘ عزت داروں کی عزت

کے ساتھ اور ذلیل لوگوں کی ذلت کے ساتھ۔ جن کو اللہ تعالیٰ عزت دیں گے وہ مسلمان ہو جائیں گے اور جن کو ذلیل کرنا ہو گا وہ اسلام کو قبول تو نہ کریں گے مگر اسلامی حکومت کے تابع ہو جائیں گے''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔ ان آیات میں مذکور اظہارُ دینِ الحقِ علی الدِّین کُلِّہٖ دلائل اور براہین کے اعتبار سے ہر زمانے میں ایسا نمایاں ہے کہ کسی سمجھدار انسان کو اس پر حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔ اس لیے کفار کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود یہ دینِ حق اپنی حجت اور دلیل کے اعتبار سے ہمیشہ غالب ہے اور آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی کے پہلو سے جب مسلمان اس دین کی پوری پیروی کریں گے اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا سچا اُمتی بننے کا ثبوت دیں گے تو ان کا ظاہری غلبہ اور حکومت وسلطنت کا حصول بھی ان آیات کی رو سے لوازم اور نتائج میں سے ہے۔ جیسا کہ تاریخِ اسلام اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن وسُنّت پر پوری طرح عمل کیا اور تقویٰ اور جہاد کی راہوں میں ثابت قدم رہے (یا آئندہ رہیں گے) تو کوئی کوہ یا دریا ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکا اور وہ دنیا پر غالب آکر رہے۔ جب کبھی جہاں کہیں ان کو مغلوب یا مقہور ہونے کی نوبت آئی تو وہ قرآن وسنت کے احکام سے غفلت اور خلاف ورزی کا نتیجہ تھا جو ان کے سامنے آیا' دینِ حق پھر بھی اپنی جگہ مظفر اور غالب رہا۔ گویا اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل واستدلال کی رو سے تو مطلقاً ہے اور کسی وقت وزمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں' البتہ مادّی غلبہ اہلِ اسلام کی صلاحیت اور اہلیت کے ساتھ مخصوص ومشروط ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ میں تشکیلِ اُمت کی غرض وغایت بیان ہوئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (البقرۃ:۱۴۳) ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وَسط بنا دیا تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر''۔ بلاشبہ اس آیت سے اس امت کی کمال درجے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ تاہم لفظ شہداء سے یہ تنبیہہ بھی نکل رہی ہے کہ مسلمانوں کو اخلاقی پستی اور فسق وفجور کی ہر صورت سے بچے رہنا چاہیے' ورنہ پھر ادائے شہادت کے قابل نہ رہیں گے۔ آیت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ جس طرح دنیا کی ہر اُمت کے لیے نمونہ اور معیار کا کام دینے کے لیے امت اسلامیہ ہے' خود اس اُمت کے لیے معیار کا کام دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ سے لفظ ''وسط'' کی تفسیر ''عدل'' سے کی گئی ہے جو ''بہترین'' کے معنی میں آیا ہے۔ اعتدال کے لفظی معنی ہیں برابر ہونا۔ اس وصف کو انسانی شرف اور فضیلت کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا جوہرِ شرافت اور مدارِ فضیلت اس کے ایمانی' روحانی اور اخلاقی کمالات ہیں۔ اور جس طرح بدن انسانی بے اعتدالی کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی اور اخلاقی وجود بھی بے اعتدالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسانِ کامل کہلانے کا مستحق صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو جسمانی اعتدال کے ساتھ روحانی اور اخلاقی اعتدال بھی رکھتا ہو۔ یہ کمال انبیاء ورسل علیہم السلام کو خصوصیت کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اسی لیے قوموں کے روحانی علاج اور اخلاقی اعتدال کے لیے انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے گئے اور

ان کے ساتھ آسمانی ہدایت بھیجی گئی اور بقدرِ ضرورت مادّی طاقتیں بھی عطا کی گئیں جن کے ذریعے وہ یہ قانونِ اعتدال دنیا میں نافذ کر سکیں۔ اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اُمتِ وَسط قرار دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا جو ہر شرافت و فضیلت اور ایمان و تقویٰ اس امت کے افراد میں درجہ کمال میں موجود ہونا چاہیے' اور جس غایت کے لیے یہ آسمان و زمین کا سارا نظام ہے اور جس مقصد کے لیے انبیاء و رسل علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیجی گئی ہیں یہ امت اس معاملے میں ساری امتوں سے ممتاز اور افضل ہے۔

دین کے معاملے میں اُمتِ مُسلمہ کی یہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے قرآن میں دوسری جگہ اس امت کو ''خیر اُمت''، یعنی بہترین امت کہا گیا ہے۔ یعنی وہ اُمت جو ٹھیک ٹھیک دین کی اُس شاہراہ پر قائم ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلق کی رہنمائی کے لیے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سے کھولی ہے اور جو ابتداء ہی سے ہدایت کی اصل شاہراہ ہے۔ ''رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو' سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ شہادت علی الناس کا جو فرض آنحضرت ﷺ پر بحیثیت رسول کے تھا' آپ ﷺ کے بعد آپؐ کی امت کی طرف منتقل ہوا اور اب یہ اس امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دَور' ہر ملک اور ہر زبان میں لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گی تو اس دنیا کی گمراہیوں کے نتائج بھگتنے میں دوسروں کے ساتھ یہ امت بھی برابر کی شریک ہوگی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس امت کو ''شہداء اللہ'' ہونے کا یہ مرتبہ آخرت میں بھی حاصل ہوگا' لیکن آخرت میں یہ مرتبہ اسی وجہ سے حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اس کو اس منصب پر سرفراز فرمایا ہے۔ جو امت اس دنیا میں دین حق کی گواہ ہے ظاہر ہے وہی آخرت میں بھی اس پوزیشن میں ہوگی کہ گواہی دے کہ لوگوں کو اللہ کا دین ٹھیک ٹھیک پہنچایا یا نہیں!

یہی مضمون سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں بعض نئی اصطلاحات کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ آیت مذکورہ میں فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ﴾ ''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوح کو دیا تھا اور جسے اے محمد (ﷺ)! اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور اسی کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دے چکے ہیں (اس تاکید کے ساتھ) کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ''۔ اس آیت میں ایک بات تو یہ واضح کی گئی کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں' نہ انبیاء میں سے کوئی اپنے کسی الگ مذہب یا دین کا بانی گزرا ہے' بلکہ اللہ کی طرف سے ایک ہی دین ہے جسے شروع سے تمام انبیاء پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیا میں جتنے انبیاء و رسل بھی آئے ہیں سب ایک ہی دین لے کر آئے ہیں۔

آیت کے اس ٹکڑے ''مِنَ الدِّيۡنِ'' کی ترجمانی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے ''از آئین'' سے کی ہے' جس سے وضاحت ہوتی ہے کہ لفظ دین کے معنی کسی کی سیادت و حاکمیت تسلیم کر کے اس کے احکام کی اطاعت

کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ کوئی اپیل‘ سفارش‘ عرضی یا محض وعظ یا نصیحت کی نوعیت کی شئے نہیں ہے بلکہ یہ بندوں کے لیے ان کے مالک کا واجب الاطاعت قانون ہے‘ جس کی اپنے اختیار سے پیروی نہ کرنے کے معنی بغاوت کے ہیں‘ اور جو شخص اس کی پیروی نہیں کرتا وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی سیادت و حاکمیت اور اپنی بندگی کا انکار کرتا ہے۔ اس کے بعد آیت کے اس ٹکڑے ’’اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ‘‘ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ’’قائم کنید دین‘‘ کیا ہے‘ جبکہ شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے ’’قائم رکھو دین کو‘‘ سے کیا ہے۔ دونوں ترجمے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور انبیاء و رسل ؑ ان دونوں ہی کاموں پر مامور تھے۔ ان کا پہلا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ دین قائم نہیں ہے وہاں اسے قائم کریں اور دوسرا یہ کہ جہاں یہ قائم ہو جائے یا پہلے سے قائم ہو وہاں اسے قائم رکھیں۔ ظاہر بات ہے کہ قائم رکھنے کی نوبت آتی ہی اس وقت ہے جب ایک چیز قائم ہو چکی ہو‘ ورنہ پہلے اسے قائم کرنا ہوگا۔

بعض لوگوں نے شریعت اور دین کو الگ الگ چیزیں قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ قائم کرنے کا حکم دین کو ہے نہ کہ شریعت کو۔ یعنی یہاں دین سے مراد شرعی احکام و قوانین نہیں ہے بلکہ صرف توحید‘ آخرت اور کتاب اور نبوت وغیرہ کا ماننا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ اس میں وہ موٹے موٹے اخلاقی اصول شامل ہیں جو سب شریعتوں میں مشترک رہے ہیں۔ اس رائے کی خطرناکی یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح شریعت کو غیر اہم اور اس کی اقامت کو غیر مقصود بالذات سمجھ کر نظر انداز کرنے لگے۔ اگر اس اپروچ (طرزِ فکر) کو درست مان لیا جائے تو قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے کیا مراد لی جائے گی؟

(۱) ﴿وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ؕ﴿۵﴾﴾ (البینۃ)

’’اور ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ یکسو ہو کر اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی راست اور سیدھا دین ہے۔‘‘

(۲) ﴿حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالۡمُنۡخَنِقَۃُ وَالۡمَوۡقُوۡذَۃُ وَالۡمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیۡحَۃُ وَمَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ ؕ اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ وَاخۡشَوۡنِ ؕ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ .....﴾ (المائدۃ:۳)

’’تمہارے لیے حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ جو گلا گھونٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر یا سینگ کی چوٹ کر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے چیرا پھاڑا ہو‘ سوائے اس کے کہ جسے تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا اور وہ بھی جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو‘ نیز یہ بھی تمہارے لیے حرام کیا گیا کہ تم پانسوں کے ذریعے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب کام فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے

ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا...‘‘

(۳) ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ...... ﴾ (التوبۃ:۲۹)

’’جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے...‘‘

(۴) ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ﴾ (النور:۲)

’’زانیہ عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامنگیر نہ ہو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

یہ اور ان جیسی دیگر آیاتِ قرآنیہ کے مطالعہ سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو کفر اور کُفّار کی رعیّت بنا کر مغلوبانہ حیثیت میں مذہبی زندگی بسر کرنے کا پروگرام نہیں دے رہی‘ بلکہ یہ اعلانیہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دین حق کو فکری‘ اخلاقی‘ تہذیبی اور قانونی و سیاسی حیثیت سے غالب کرنے کے لیے اپنی محنت صرف کریں اور اس کے لیے جان کی بازی بھی لڑا دیں۔ اور ان کو انسانی زندگی کی اصلاح کا وہ پروگرام دیتی ہے جس کے بڑے حصے پر صرف اسی وقت عمل کیا جا سکتا ہے جب حکومت کا اقتدار اہلِ ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ﴾ (النساء:۱۰۵) ’’(اے نبی ﷺ!) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس روشنی میں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ محقق اہلِ تفسیر نے اقامتِ دین کو عینی اور کفائی کی تفریق سے بالاتر ایک ’’فرض‘‘ قرار دیا ہے اور اس میں تفرقہ کو حرام کہا ہے۔ اسی لیے اصول وعقائد یعنی توحید‘ رسالت اور آخرت پر ایمان اور اصولِ عبادات یعنی نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی نیز چوری‘ ڈاکے‘ گناہ‘ جھوٹ‘ فریب‘ دوسروں کو بلاوجہِ شرعی ایذا دینا اور عہد شکنی وغیرہ کی حرمت —— یہ تمام معاملات تمام ادیانِ سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن حکیم نے دیگر نبیاء و رُسل علیہم السلام اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے متعدد مقاصد و فرائض بیان کیے ہیں۔ تلاوتِ آیاتِ الٰہیہ‘ تعلیم وتفسیرِ کتاب وشریعت‘ حکمت واحکامِ دین کی تعلیم وتبیین‘ اس کے ماننے والوں کا ظاہری و باطنی تزکیہ وتطہیر‘ تعلیم وتربیتِ اخلاقِ حسنہ‘ حرم مقدس کو شرک وکفر اور بدعات کی ہر آلائش سے پاک کر کے اسے توحید و ہدایت کا مرکز بنانا اور یہاں اللہ کے آئین اور قانون کو بالادست اور غالب قانون کی حیثیت سے منوانا‘ ظلم وتعدی کے ضابطوں کا قلع قمع کرنا‘ مزاحم قوتوں کو علمی وعسکری شکست سے دوچار کرنا‘ ایسی اُمّت تشکیل دینا جو انسانیت کے جوہرِ شرافت وفضیلت سے آراستہ ہو اور علم‘ روحانیت واخلاق کے درجہ کمال پر فائز

ہو‘اس امت کے ایمان واخلاص کی خود گواہی دینا اوراس میں خلق کی ہدایت اور فریضہ شہادت علی الناس کی ادائیگی کی اہلیت اور ’’احقیت‘‘ کا شعور و احساس پیدا کرنا۔ یہ تمام مقاصد اور فرائض منصوص ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی افضلیت اور اکملیت پر دلیل ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے اُن تمام ذمہ داریوں کو باحسن وخوبی سرانجام دیا جو ان مقاصد کے ضمن میں مرحلہ وار درپیش ہوئیں اور ان تمام رکاوٹوں کو کمالِ صبر و استقامت سے دور کیا جو کبھی بھی یا کہیں بھی مزاحم ہوئیں۔ ان مقاصد میں باہمی ربط بھی ہے اور ایک فطری تدریج بھی ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث عن جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ، فَتَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ، ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ، فَازْدَدْنَا بِهِ إِيمَانًا میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ ان میں سے کسی مقصد کو کم اہم‘ غیر ضروری یا غیر متعلق نہیں کہا جاسکتا۔ یہ سب ہی خارجی اور معروضی حالات کے اعتبار سے اُمتیوں کے اخلاصِ دین اور عزم واستقلال کے لیے میدان ہائے عمل ہیں۔

اُمت کے اَخلاف میں تفرقہ کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ مذکورہ بالا مقاصدِ نبوت کے معاملے میں اپنی اپنی پسند اور ترجیح سے خود ساختہ تفوق وفضیلت کا ڈول ڈال دیا گیا اور یوں ’’وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا...‘‘ کی فضا پیدا ہوئی۔ حالانکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا‘ اُمت کے لیے کارِ رسالت کے مقاصد میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے مذکورہ بالا مقاصدِ نبوت کا وسیع میدانِ عمل موجود ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے بے لاگ مطالعے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ عوام الناس میں دین کا شعور اور اس کے مطالبات پر چلنے کی خواہش پیدا کیے بغیر دین کے سیاسی غلبے کی کوشش بے وقت کی راگنی ہے۔ یعنی جو چیز اکثریت کے نزدیک سماجی طور پر مقبول نہ ہوسکے وہ قانونی طور پر کیوں کر تسلیم کی جاسکتی ہے۔ خدمتِ دین میں مشغول عناصر کا اس نوع کے اجتہادی وذوقی اختلاف کی بنا پر باہمی تشتت و افتراق عام مسلکی تفرقے سے بھی زیادہ خطرناک شے ہے۔ اگر فقہی تفرقہ علم وعرفان کے جمود پر منتج ہوتا ہے تو فکری تفرقہ زوالِ اخلاق کا باعث بنتا ہے۔ جس شخص کو اپنی اعلیٰ فکری قطعیت وحجیت کا بخار چڑھا ہوا ہو‘ مشاہدے کی بات ہے کہ مزاجی سختی‘ نخوت اور بڑائی کے روگ میں وہ عام لوگوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسرے دینی فکر کے حاملین کی سرعام تحلیل نفسی‘ بہتان طرازی اور دلائل کی ہیرا پھیری میں اسے کوئی عار اس لیے محسوس نہیں ہوتی کہ وہ یہ سب ’’اعلیٰ مقصد‘‘ سے کررہا ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ہی ضابطہ ہے۔ ایسے اخلاقی بحران سے دوچار مذہبی لوگوں کو سلطنت و اقتدار اور سیاسی غلبے سے اکثر دُور ہی رکھا جاتا ہے۔ بفحوائے الفاظ قرآنی: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝۲۲﴾ (محمد) ’’پس تم سے اس کے سوا کچھ متوقع نہیں کہ اگر تم لوگوں کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور اپنے رحمی رشتے کاٹ ڈالو‘‘۔ اور ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵﴾ (النور)

(باقی صفحہ 26 پر)

مِلاکُ التأوِیل (۲۰)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سُورۃُ الاعراف

(۱۱۴) **آیت** ۱۲ اور ۱۳:

﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳﴾

’’(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:) تجھے کس بات نے سجدہ کرنے سے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ اس نے کہا: میں اُس سے بہتر ہوں‘ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے خاک سے۔ کہا: تو تُو یہاں سے نیچے اتر جا‘ اور تجھے زیب نہیں دیتا کہ تو یہاں (آسمان میں) اتراتا پھرے‘ تو نکل کھڑا ہو! بے شک تو ذلیل ہو جانے والوں میں سے ہے۔‘‘

اور سورۃ الحجر میں ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝۳۲ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۳۳ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝۳۴﴾

’’(باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ تھا؟ اس نے کہا: میں تو سجدہ کرنے والا نہیں ایسے انسان کو جسے تو نے ایسی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو ایک سڑے ہوئے گارے کی پیداوار تھی۔ کہا: پس تُو (جنت) سے نکل جا‘ بے شک تو راندۂ درگاہ ہے۔‘‘

اب یہاں دونوں آیتوں کا تقابل کیا جائے تو کئی سوال جنم لیتے ہیں:

(۱) پہلی آیت میں کہا: ’’مَا مَنَعَكَ‘‘ (تمہیں کس چیز نے منع کیا؟) اور دوسری آیت میں کہا: مَا لَكَ (تجھے کیا ہوا؟)

(۲) پہلی آیت میں خطاب ابلیس ہی سے تھا لیکن پکارتے وقت اس کا نام نہیں لیا گیا‘ اور دوسری آیت میں يٰۤاِبْلِيْسُ کہہ کر اسے نام سے پکارا گیا۔

(۳) پہلی آیت میں کہا: ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ﴾ (تجھے کس بات نے سجدہ کرنے سے منع کیا جب

کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔) اور دوسری آیت میں کہا: ﴿اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ۝۳۲﴾ (کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ تھا۔)

(۴) پہلی آیت میں ابلیس کی حجت یہ تھی کہ ''میں اس سے بہتر ہوں' آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم) کو خاک سے'' اور دوسری آیت میں اس کے الفاظ میں مزید تفصیل یہ ہے کہ ''میں تو سجدہ کرنے والا نہیں ایسے انسان کو جسے تو نے ایسی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو خود ایک سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے۔''

(۵) پہلی آیت میں اسے یہ حکم دیا گیا: ''تو تو یہاں سے نیچے اتر جا (فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا) اور تجھے زیب نہیں دیتا کہ تو یہاں (آسمان) میں اتراتا پھرے (تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا) اور تو یہاں سے نکل کھڑا ہو (فَاخۡرُجۡ) بے شک تو ذلیل ہو جانے والوں میں سے ہے'' اور دوسری آیت میں صرف اتنا کہا: ''تو یہاں سے نکل جا (فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا) بے شک تو راندۂ درگاہ ہے: ﴿فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۙ﴾۔''

تو یہ ہو گئے پانچ سوالات:

جواباً عرض ہے کہ سورۃ الاعراف میں اس آیت سے قبل انسان کی خلقت کا ذکر ہے لیکن جس مادے سے انسان کو پیدا کیا گیا اس کا ذکر نہیں ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ﴾ (آیت ۱۱)

''اور ہم نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری صورت گری کی' پھر ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو۔''

یہاں چند باتیں ملحوظ خاطر رہیں:

آیت میں خطاب بنی آدم سے ہے' کسی دوسری مخلوق چاہے وہ فرشتے ہوں یا جن' اُن کی خلقت کا ذکر نہیں ہے۔ پھر سجدہ کا حکم فرشتوں کو ہے اور کہیں یہ اشارہ نہیں کہ ابلیس غیروں میں سے ہے' تو ظاہر کلام اسی بات کا متقاضی ہے کہ ابلیس کا شمار انہی میں سے ہو رہا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ اسے بھی سجدہ کا حکم دیا گیا ہے' اس لیے یہ مناسب تھا کہ اسے مخاطب کر کے کہا جائے: مَا مَنَعَكَ؟ اور اس کے مخاطب ہونے کی تائید اس لفظ سے بھی ہوتی ہے: اِذۡ اَمَرۡتُكَ۔ اور چونکہ یہاں سوائے انسانوں کے اور کسی کے پیدا کیے جانے کا ذکر نہیں تھا اور نہ ہی انسان کے مادۂ خِلقت کا ذکر تھا' اس لیے ابلیس کی زبان سے یہ کہلوایا جانا مناسب تھا کہ: ﴿اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ۝۱۲﴾۔ اس نے اپنی حجت پوری کرنے کے لیے ایک تو دونوں مخلوقات کے مادۂ خلقت کو بیان کر دیا اور پھر اپنے اس زعم باطل کو بھی آشکار کر دیا کہ آگ مٹی سے برتر ہے۔

اور اب سورۃ الحجر کی طرف آیئے' اس سورت میں ان آیات سے قبل یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝۲۶ وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ۝۲۷﴾

''یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی (بدبودار) کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس سے پہلے جنات کو

ہم نے لُو والی آگ سے پیدا کیا۔‘‘

اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾

’’اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں ایک انسان کو پیدا کرنے والا ہوں کالی اور سڑی ہوئی (بدبودار) کھنکھناتی مٹی سے‘ اور پھر جب میں اسے بنا سنوار لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو پھر اس کے لیے سجدہ ریز ہو جانا۔‘‘

بظاہر اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا‘ اور یہ کہ سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا۔ اور اس مناسبت سے کہا گیا:

﴿مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۲﴾﴾

’’تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوئے!‘‘

یعنی مادۂ خلقت کے اعتبار سے تم ان میں سے نہیں ہو لیکن ان کے ساتھ ہونے کی بنا پر تمہیں بھی سجدے کا حکم دیا جاتا ہے۔ سورۃ الکہف کی آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ابلیس جنات میں سے تھا:

﴿اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ﴾ (الکہف: ۵۰)

’’سوائے ابلیس کے کہ وہ جنات میں سے تھا اور اس نے اپنے رب کے امر کی حکم عدولی کی۔‘‘

اور اسی اعتبار سے یہاں اُس کے نام سے اسے پکارا گیا اور یہ اسی مناسبت کی بنا پر کہ وہ ان میں سے نہ تھا‘ اور اسی لیے یہاں ’’مَا مَنَعَکَ‘‘ نہیں کہا گیا بلکہ ’’مَا لَکَ‘‘ کا طرزِ تخاطب اختیار کیا گیا۔

’’مَا مَنَعَکَ‘‘ ’’تمہیں کس چیز نے روکا‘‘ اگر کہا جاتا تو گمان ہو سکتا تھا کہ وہ فرشتوں میں سے ہے‘ جبکہ ان آیات کے شروع میں ہی اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا تھا کہ وہ ان میں سے نہیں ہے‘ اور پھر ابلیس کا انسان کے مادہ خلقت کو حقیر جاننا‘ حقارت سے اس کا ذکر کرنا اور اپنے آپ کو انسان پر فوقیت دینا‘ اسے جنت سے نکالے جانے کا تقاضا کرتا تھا اور یوں آخر میں یہ حکم دے دیا گیا: ’’فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا‘‘ ’’تم اس سے نکل جاؤ‘‘

سورۃ الاعراف میں بجائے ’’فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا‘‘ کے ’’فَاہۡبِطۡ مِنۡہَا‘‘ (اس سے اتر جاؤ) کے الفاظ ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بھی استعمال ہوئے‘ اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو وہ سرزنش نہیں کی گئی تھی جو کہ شیطان ابلیس کو کی گئی تھی‘ تو یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورۃ الاعراف کا سیاق و سباق چونکہ اس کا فرشتوں میں سے ہونا ظاہر کر رہا تھا اس لیے ’’فَاہۡبِطۡ مِنۡہَا‘‘ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اب تم اپنی نافرمانی کی بنا پر اُن کے ساتھ جنت میں رہنے کے قابل نہیں ہو اس لیے اب یہاں سے اترنا ہو گا۔ لیکن چونکہ ابلیس کو سرزنش بھی مقصود تھی‘ اس لیے ’’فَاہۡبِطۡ مِنۡہَا‘‘ پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ ’’فَاخۡرُجۡ‘‘ کے لفظ کا اضافہ بھی کر دیا گیا۔

سورۃ الحجر میں ’’فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا‘‘ کے ساتھ ساتھ ’’فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ‘‘ (بے شک تو مردود ہے) کا اضافہ کیا گیا‘

یہ بتانے کے لیے کہ ابلیس نے اپنی خلقت یعنی آگ سے پیدا ہونے پر ناز کیا تھا' اس لیے اب وہ ملائکہ کے ساتھ رہنے کا اہل نہ رہا' اور چونکہ اس کی اہانت بھی مقصود تھی' اسے لعنت کا مستحق بھی گردانا جارہا تھا اس لیے اس کے مردود ہونے کی بھی تصریح کردی گئی۔ اور یوں دونوں آیات میں طرزِ تخاطب اپنی اپنی جگہ مناسب تھا' والحمدللہ!

(۱۲۵) آیت ۱۴ اور ۱۵:

﴿قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾﴾

''اس نے کہا مجھے مہلت دے اس دن تک جب وہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ کہا کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں مہلت دی گئی۔''

جب کہ سورۃ الحجر (آیات ۳۶ تا ۳۸) اور سورۃ ص (آیات ۷۹ تا ۸۱) میں یہی مضمون اس طرح وارد ہوا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○﴾

مضمون بالکل وہی ہے' صرف دو جگہ حرف ''فاء'' کا اضافہ ہے یعنی: فَاَنْظِرْنِیْ اور فَاِنَّکَ اور قَالَ کے بعد ''رَبِّ'' کا اضافہ ہے جو کہ سورۃ الاعراف میں نہیں ہے۔

اس کا جواب ملاحظہ ہو: ہم پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ جہاں کلام میں ایجاز واختصار مطلوب ہو وہاں کلمات تعداد میں کم ہوتے ہیں اور جہاں تفصیل اور تاکید مطلوب ہو وہاں کلمات زیادہ ہوتے ہیں۔

ان تینوں سورتوں میں قصہ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے' لیکن سورۃ الاعراف میں ایجاز ہے اور باقی دونوں سورتوں میں تفصیل اور تاکید ہے۔ ملاحظہ ہو کہ سورۃ الاعراف میں اس قصے کی ابتدا ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ﴾ والی آیت سے ہوتی ہے اور ﴿اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ تک کوئی چالیس سے اوپر کلمات ہیں۔ سورۃ الحجر میں ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ سے لے کر ﴿فَاَنْظِرْنِیْ﴾ تک ستر سے اوپر کلمات ہیں۔ اور سورۃ ص میں ﴿اِذْ قَالَ رَبُّکَ﴾ سے ﴿فَاَنْظِرْنِیْ﴾ تک ساٹھ سے اوپر کلمات ہیں' اور نہ صرف کلمات میں زیادتی ہے بلکہ اثناءِ کلام میں ''کُلُّ'' اور ''اَجْمَعُوْنَ'' کے کلمات سے تاکید بھی کی گئی ہے۔ دونوں سورتوں میں یہ آیت ہے:

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ○﴾ (الحجر: ۳۰ اور ص: ۷۳)

''چنانچہ تمام فرشتوں نے' سب کے سب نے سجدہ کرلیا۔''

تو واضح ہو گیا کہ جہاں تفصیل مطلوب تھی وہاں کلمات اور حروف زیادہ لائے گئے اور جہاں اختصار مطلوب تھا وہاں کلمات اور حروف کم لائے گئے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ قصہ تو ایک ہی ہے لیکن ایک مرتبہ اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا اور ایک مرتبہ طوالت کے ساتھ' تو اس کی کیا وجہ ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہ ربّ العزت کا کلام ہے اور اس میں ایجاز اور تفصیل دونوں کی بلاغت اور فصاحت کا ظہور ہو رہا ہے۔

اور پھر اگر یہ کہا جائے کہ مختصر قصہ پہلے کیوں بیان ہوا اور تفصیلی قصہ بعد میں کیوں؟ تو اس کا جواب تو بہت آسان ہے' ہمیشہ پہلے مجمل بات ہوتی ہے اور پھر اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے' اور ہمارا یہ جواب قرآن کی موجودہ ترتیب کے اعتبار سے ہے' یعنی سورۃ الاعراف پہلے ہے اور سورۃ الحجر اور سورۃ ص بعد میں۔ واللہ اعلم!

(۱۲۶) آیت ۱۶ اور ۱۷:

﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾﴾

''پھر شیطان نے کہا: اب جبکہ تو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے تو اب میں بھی تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا تاکہ (انہیں گمراہ کرسکوں) اور پھر میں آؤں گا ان کے سامنے سے' ان کے پیچھے سے' ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے' اور تُو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

اور سورۃ الحجر میں ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾

''اُس نے کہا کہ اے میرے رب! اب جب تُو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے تو میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر کے دکھاؤں گا' میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا' سوائے تیرے مخلص بندوں کے (کہ ان پر قابو پانا مشکل ہے)۔

ان دونوں آیات میں ابلیس کا قول نقل کیا گیا ہے' سوال یہ ہے کہ قصہ تو ایک ہے لیکن ان دونوں آیات میں عبارت کا اختلاف کیوں ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں کا ماحصل ایک ہی ہے' اور تعبیر کا اختلاف دونوں سورتوں کے سیاق و سباق کے اعتبار سے ہے۔

اب دیکھئے کہ سورۃ الاعراف میں پہلے ارشاد ہوا: ﴿اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (آیت ۳) ''پیروی کرو اُس کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر اتارا گیا ہے۔''

یہاں قرآن کی طرف اشارہ ہے جو کہ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے' جیسا کہ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾ (آیت ۱۵۳) ''اور یہ میرا راستہ ہے' سیدھا راستہ' تو اس کی پیروی کرو۔''

اور یہ صراطِ مستقیم قرآن ہی تو ہے' قرآن کی آیات میں اس کے سارے خدوخال بیان ہوئے ہیں۔ شیطانِ مردود نے تو چاہا یہی تھا کہ اس راستے پر پوری طرح کنٹرول حاصل کر پائے تاکہ ہر اُس شخص کا راستہ کاٹ سکے جو اس پر چلنے کی جرأت کرے' اور پھر سورۃ الاعراف کی آیت میں اس کی اسی خواہش کا تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ﴾ الی آخر الآیۃ

اوراس سے اس کی مراد یہی ہے کہ میں اس راستے پر قابض ہو جاؤں تو لوگوں کو گمراہ کر سکوں گا۔ یہاں ’’ل‘‘ کی ضمیر (لَهُمْ میں) بہت معنی خیز ہے۔ کیا اسے ’’فِيْ‘‘ کے معنی میں سمجھا جائے جو کہ کسی چیز کے اندر محصور ہو جانے کی نشاندہی کرتا ہے؟ اس لیے اسے ظرفِ وعاء (برتن) بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس سے معنی بگڑ کے رہ جاتا ہے‘ اس لیے یہاں ’’عَلٰی‘‘ کا مفہوم زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ ابلیس لعین کی خواہش تو اس راستے پر مکمل کنٹرول کرنے کی تھی کہ جو اس کے اس قول سے واضح ہوتی ہے:

﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ﴾

(آیت ۱۷)

’’پھر میں ان کے سامنے سے آؤں گا‘ ان کے پیچھے سے آؤں گا‘ ان کی دائیں طرف اور بائیں طرف سے آؤں گا۔‘‘

گویا ہر جہت سے انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسے پورے کا پورا کنٹرول اور سلطان یعنی غلبہ حاصل ہو جائے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا:

﴿اِنَّ عِبَادِيۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ﴾ (الحجر: ۴۲)

’’بے شک میرے بندوں پر تُو غلبہ نہ پاسکے گا۔‘‘

تو یہاں بجائے ’’فِيْ‘‘ کے ’’عَلٰی‘‘ کا اعتبار کرنا زیادہ مناسب ہوگا جس میں غلبہ اور قابو پانے کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور ’’نحو‘‘ کے ماہرین نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے اور ایسے ہی سیبویہ کے کلام کو سمجھا گیا ہے۔

اب آیئے سورۃ الحجر کی طرف کہ جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ابلیس کو کیسے آسمان کی خبریں چوری چھپے سننے سے منع کیا گیا‘ فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸﴾﴾

’’اور ہم نے آسمان میں برجیاں بنائیں اور انہیں دیکھنے والوں کے لیے سجادیا۔ اور انہیں ہر شیطان مردود سے بچا کے رکھا‘ سوائے ان (شیاطین) کے جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے تو پھر ایک چمکتا ہوا انگارہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔‘‘

تو جب اُسے اس جہت کی طرف سے روک دیا گیا تو وہ پھر دوسری جہت کی طرف متوجہ ہوا:

﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۳۹﴾﴾

یعنی اگر آسمانوں کی خبروں کی جہت سے میں گمراہ کرنے سے روک دیا جاؤں اور نہ ہی میں یہ معلوم کر سکوں کہ اللہ نے فرشتوں کو زمین اور اہل زمین کی تقدیر کے بارے میں کیا کیا وحی کی ہے‘ تو پھر میں ایک دوسری جہت سے انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا جس سے اللہ نے مجھے نہیں روکا ہے‘ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ میں تیرے ان لوگوں کو نہیں بہکا سکوں گا جنہیں تو نے چُن لیا ہے۔

اب یہ واضح ہو گیا کہ چونکہ دونوں سورتوں کے آغاز میں ابلیس کی دو مختلف کیفیتوں کا بیان ہوا ہے اس لیے ان کی بنیاد پر جو بات کہی گئی ہے وہی مناسب تھی' اور سورۃ الاعراف میں کہی گئی بات سورۃ الحجر میں کہی جاتی یا اس کے برعکس کیا جاتا تو قطعاً مناسب نہ ہوتا۔ واللہ اعلم!

(۱۲۷) آیت ۳۹:

﴿وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾

''اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی: تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں' اب تم بھی عذاب کا مزا چکھو ان اعمال کی بنا پر جو تم کیا کرتے تھے۔''

اور سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾

''اور ان لوگوں کی نماز بیت اللہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے کچھ نہ تھی' تو پھر اب عذاب کا مزا چکھو اپنے کفر کی بنا پر۔''

سوال یہ ہے کہ پہلی آیت میں عذاب کا سبب ''بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ'' بتایا' یعنی جو کچھ تم نے کمایا اس کی بنا پر عذاب چکھو' اور دوسری آیت میں کہا: ''بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ'' یعنی یہ عذاب تمہارے کفر کی بنا پر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے (واللہ اعلم!) کہ آیت سورۃ الاعراف میں جن لوگوں کا حال بیان ہوا ہے وہ ان لوگوں کے حال سے مختلف ہے جن کا ذکر سورۃ الانفال میں ہے۔ سورۃ الانفال میں صرف ایک خاص قوم کا بیان ہے اور وہ ہیں کفّارِ قریش جن کا تعلق مکّہ سے تھا اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وہ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے' ان میں بہت سے رسول نہیں آئے تھے' اور ان کا کفران دو باتوں میں منحصر تھا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو جھٹلایا تھا اور اپنے خداؤں کی عبادت پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اس کے مقابلے میں سورۃ الاعراف کی آیت میں کئی طرح کے لوگوں کا بیان ہوا ہے جن میں رسولوں کو جھٹلانے والے بھی ہیں' اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والے بھی ہیں' اور اللہ پر جھوٹ باندھنے والے بھی ہیں۔ فرمایا:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ﴾ (آیت ۳۷)

''اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔''

اور پھر فرمایا:

﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا

﴿فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ﴾ (آیت ۳۸)

''اور اللہ ارشاد فرمائیں گے کہ جن وانس کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں' تم بھی ان کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ' اور جب کبھی ان میں سے ایک جماعت وہاں داخل ہو گی وہ اپنی بہن (یعنی اپنی جیسی دوسری جماعت) پر لعنت بھیجے گی' اور جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی: اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو تو انہیں دگنا آتشِ جہنم کا عذاب دے!''

اور پھر اس کے بعد یہ آیت آتی ہے جس کے بارے میں شروع میں تذکرہ کیا گیا:

﴿وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾

(ترجمہ پہلے گزر چکا ہے)

اب دیکھئے کہ ان لوگوں کے طرح طرح کے غلط افعال کا بیان ہوا' اور یہ کہ ان کے اعمال کتنے گھناؤنے تھے' اور یہ کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا' اس لیے مناسب ہوا کہ یہاں یہ کہا جائے کہ انہیں ان کے کمائے ہوئے اعمال کی پاداش میں سزا دی جائے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سورۃ الانفال میں صرف کفارِ مکّہ مخاطب تھے اور ان کا کفر نبی ﷺ اور ان کی تعلیمات کو جھٹلانا تھا' اس لیے وہاں صرف لفظ ''کفر'' کا لانا مناسب تھا' واللہ سبحانہ اعلم!

(۱۲۸) آیت ۴۴ اور ۴۵:

﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾

''پھر ایک پکارنے والے نے ان کے درمیان اعلان کیا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو' جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں' اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔''

اور سورۃ ھود میں ارشاد فرمایا:

﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾

''خبردار! لعنت ہو ان ظالموں پر' جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں' اور وہ آخرت سے انکار کرتے ہیں۔''

یہاں ضمیر الفصل ''هُمْ'' کو دوبارہ لایا گیا جبکہ سورۃ الاعراف کی آیت میں یہ ضمیر ساقط ہے' تو اس کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پہلی آیت میں اختصار کا اسلوب ہے اور دوسری آیت میں تفصیل کا' تو جہاں اختصار ہو گا وہاں الفاظ بھی کم ہوں گے اور جہاں طوالت ہو گی تو وہاں الفاظ میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو دونوں آیات کے ابتدائی کلمات کا۔ سورۃ الاعراف میں صرف ارشاد فرمایا: ﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ﴾۔ اس کے

بالمقابل سورۃ ھود میں ﴿اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ سے قبل ایک لمبی آیت ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ یُعۡرَضُوۡنَ عَلٰی رَبِّہِمۡ وَ یَقُوۡلُ الۡاَشۡہَادُ ہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلٰی رَبِّہِمۡ ۚ﴾

''وہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔''

اور ایک دوسری بات بھی ملاحظہ ہو۔ سورۃ ھود میں ظالمین کا وصف پہلے ہی بیان ہو چکا تھا کہ وہ اپنے رب (رَبِّہِمۡ) کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور پھر گواہ حضرات کہیں گے کہ ان لوگوں نے اپنے رب (رَبِّہِمۡ) پر جھوٹ باندھا تھا' تو پھر آخر میں بجائے ''عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ'' کے صرف ''عَلَیۡہِمۡ'' کہا جا سکتا تھا لیکن ''عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ'' کہہ کر ان کا پول کھول دیا گیا۔ اور اس مناسبت سے ضمیر الفصل ''ھُمۡ'' کا اضافہ بھی اپنی جگہ پر ہے۔

اور ایک تیسری بات بھی ملاحظہ ہو کہ سورۃ الاعراف کی آیت میں ''لَعۡنَۃُ اللّٰہِ'' سے قبل ''اَنۡ'' کا حرف لایا گیا ہے جب کہ سورۃ ھود میں ''اَلَا'' لایا گیا ہے۔ اور معنوی اعتبار سے ''اَنۡ'' کسی بات کے بیان کرنے سے قبل لایا جاتا ہے۔ (جیسے اردو میں حرف ''کہ'' یعنی منادی کرنے والے نے منادی کی کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر ہو)' اور اسی طرح ان دو آیات میں بھی: ﴿وَ نُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡکُمُ الۡجَنَّۃُ﴾ (الاعراف: ۴۳) ''اور انہیں پکارا گیا کہ یہ وہ جنت ہے۔''

اور سورۂ صٓ میں ارشاد فرمایا: ﴿وَ انۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡہُمۡ اَنِ امۡشُوۡا﴾ (آیت ۶) ''اور ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو (اور اپنے معبودوں پر جمے رہو)۔''

اس کے بالمقابل ''اَلَا'' حرف تنبیہ ہے جس میں زیادہ زور پایا جاتا ہے۔

اور یوں واضح ہو گیا کہ ہر آیت اپنی اپنی جگہ مناسبت رکھتی ہے اور اگر اس کا الٹ ہوتا تو قطعاً مناسب نہ ہوتا۔ واللہ اعلم!

(۱۲۹) آیت ۵۷:

﴿وَ ہُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِہِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ کَذٰلِکَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾﴾

''اور وہی اللہ ہے جو (بارانِ) رحمت سے قبل ہواؤں کو بشارت کے طور پر ارسال کرتا ہے' پھر جب وہ (پانی سے) بوجھل بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو پھر ہم انہیں ایک مردہ (خشک و بیابان) شہر کی طرف لے جاتے ہیں اور وہاں پھر ان سے پانی برساتے ہیں اور پھر اس پانی سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اور سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَہُوۡرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحۡیَِۧ بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا وَّ نُسۡقِیَہٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ کَثِیۡرًا ﴿۴۹﴾﴾

''اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے' اور ہم آسمان سے پاک پانی کو برساتے ہیں' تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور پھر اسے ہم بہت سارے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا۔''

اور سورۃ الروم میں ارشاد فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾

''وہی اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو ہنکاتی ہیں' پھر وہ انہیں آسمان میں پھیلا دیتا ہے جیسے چاہتا ہے' پھر اسے ٹکڑیوں میں بانٹ دیتا ہے اور پھر تم دیکھتے ہو کہ کیسے پانی کے قطرے ان میں سے چھلکتے ہیں۔ پھر جب وہ اس بارش کو اپنے ان بندوں پر برساتا ہے جنہیں وہ چاہتا ہے تو وہ خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔''

اور سورۃ الملائکہ (فاطر) میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾﴾

''اور وہی اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو ہنکاتی ہیں اور پھر ہم انہیں ایک مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں اور پھر ہم اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں' اور ایسے ہی دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔''

ان چاروں سورتوں میں مضمون مشترک ہے لیکن الفاظ میں اختلاف واقع ہوا ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

(۱) ابتدائی کلمات جیسے اَرْسَلَ (صیغہ ماضی) اور یُرْسِلُ (صیغہ مضارع)

(۲) الاعراف اور الفرقان میں ہواؤں کے ذکر کے بعد ان کا یہ وصف بیان ہوا ہے: ﴿بُشْرًا ۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ ''بشارت اس کی رحمت کے نازل ہونے سے پہلے'' باقی دونوں سورتوں میں یہ وصف بیان نہیں ہوا۔

(۳) ہواؤں کے بھیجے جانے کے اثرات کا ذکر: سورۃ الاعراف میں کہا: ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ ایک (پانی سے) بوجھل بادل کو اٹھاتی ہیں اور پھر ہم اسے لے جاتے ہیں'' اور سورۃ الروم اور فاطر میں کہا: ﴿فَتُثِیْرُ سَحَابًا﴾ (تو پھر وہ بادل کو ہنکاتی ہیں) اور سورۃ الفرقان میں اس کا ذکر نہیں کیا؟

(۴) ہواؤں کا بادلوں کو ہنکا کر لے جانا: اور اس کے بعد سورۃ الاعراف میں کہا: ﴿سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ﴾ اور سورۃ فاطر میں ﴿فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ﴾ اور سورۃ الروم میں ﴿فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا﴾۔

(۵) پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ سورۃ الاعراف میں کہا: ﴿فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾ اور سورۃ الفرقان میں: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾﴾ اور سورۃ الروم میں: ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ لیکن سورۂ فاطر میں

نہ پانی کے اتارے جانے کا ذکر ہے اور نہ ہی اس کی کیفیت کا؟

(۶) سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا: ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ''اور ہم نے اس (پانی) سے ہر طرح کے پھل نکالے۔'' اور سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا: ﴿لِنُحْیِ‌َ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا۝﴾ ''تاکہ ہم اس پانی سے ایک مردہ شہر کو زندہ کریں اور بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو اس پانی میں سے پلائیں کہ جنہیں ہم نے پیدا کیا تھا''۔ اور سورۃ الروم میں ارشاد فرمایا: ﴿فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۝﴾ ''اور پھر جب وہ اس بارش کو ان لوگوں پر برساتا ہے جنہیں وہ چاہتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔''

(۷) سورۃ فاطر کے آخر میں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ۝﴾ ''اور ایسے ہی اٹھایا جانا ہوگا''۔ لیکن اس سے قبل دو سورتوں میں تشبیہ کا یہ انداز نہیں پایا گیا۔ اور سورۃ الاعراف کی آیت کے آخر میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝﴾ کہہ کر امید دلائی گئی‘ لیکن دوسری آیات میں امید کا یہ پہلو ذکر نہیں کیا گیا۔

تو یہ ہیں وہ سوالات جن کے جوابات مطلوب ہیں۔ اب آیئے ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) سورۃ الاعراف کی آیت سے قبل ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ قف﴾ (آیت ۵۴)

''بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دنوں میں‘ پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی پیدائش کے بارے میں ایک حقیقتِ واقعہ کا بیان فرمایا ہے کہ جس میں تکرار نہیں پائی گئی‘ اور یہ نشانی اللہ کی نشانیوں میں سب سے عظیم ترین ہے‘ جس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ قف﴾ ''پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا''۔ یہاں ''ثُمَّ'' سے ترتیب زمانی مراد نہیں ہے‘ جہاں ترتیب زمانی مراد ہو وہاں ہی یہ معنی لیا جائے گا وگرنہ ''ثُمَّ'' میں کسی چیز کے اہم ہونے‘ بڑا ہونے‘ جلیل القدر ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے‘ اور وہاں ترتیب زمانی مراد نہیں ہوتی‘ جیسا کہ یہ آیت ہے:

﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾﴾ (المدثر)

''بے شک اس نے غور و فکر کیا اور تجویز کیا‘ وہ غارت ہو کیسی تجویز اس نے کی‘ پھر وہ غارت ہو کیسی تجویز اس نے کی۔''

یہاں ''ثُمَّ'' کے بعد ترتیب زمانی مقصود نہیں ہے بلکہ مذکورہ شخصیت کی ہیجانی حالت کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ جہاں کہیں تعجب یا امید افزائی مقصود ہوتی ہے‘ ایسا اسلوبِ بیان انسانوں ہی کے لیے مناسب ہے‘ اللہ کے لیے نہیں‘ جس کی ذات ان چیزوں سے بلند و بالا ہے۔ یہاں خطاب اسی انداز سے ہے جو لوگوں کے مابین متعارف ہے اور پھر اللہ کا یہ ارشاد فرمانا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ قف﴾ اور اس صفت کو ویسے ہی سمجھنا چاہیے جیسے کہ دوسری صفات کو سمجھا جاتا ہے‘ یعنی اللہ تعالیٰ زمان و مکان اور حلول سے ماوراء ہیں۔

اور پھر ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان عظیم افعال کا ذکر کیا جن میں تکرار نہیں تھی' تو پھر اس کے بعد ان اعمال کا ذکر کیا جن میں تکرار پائی جاتی ہے' اور وہ تمام مخلوقات کے لیے بطور انعام ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کی معیشت سدھرتی ہے اور ان کی زندگی بآسانی گزرتی ہے۔ اور اس ضمن میں ارشاد فرمایا: ﴿يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ﴾ (آیت ۵۴) ''دن کو رات سے ڈھانپ دیتا ہے۔''

یہاں اشارہ ہے کہ رات دن کی گردش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ دن آجائے گا کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی یاد دلا دیا کہ یہ سب کچھ اللہ کا پیدا کردہ ہے اور اس کے ارادے اور تصرف کا پابند ہے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾۔ اور یہ کہ اس کی ذات بہت اعلیٰ وارفع ہے ﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۵۶﴾﴾

پھر ایک اور یاددہانی بھی کرادی کہ پکارنا ہے تو صرف اسی کو پکارو' اسی کے سامنے گڑگڑاؤ' اور پھر یہ کہ اس سے ڈرتے بھی رہو' اور یہی حالت ان لوگوں کے لیے مناسب ہے جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں' لیکن اس کی پکڑ سے لرزتے بھی رہتے ہیں' اور یہاں انہیں یہ بھی بشارت دے دی کہ اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔ اور یاددہانی کے ان کلمات کے بعد پھر سلسلہ کلام ان نعمتوں کی طرف جوڑ دیا گیا جو اللہ تعالیٰ بار بار اپنی مخلوقات پر کیے جا رہے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ﴾ اور یوں بارانِ رحمت کے اس تذکرے سے اس سارے کلام میں ربط پیدا ہو گیا' کہ پہلے صیغہ ماضی سے اس فعل کا تذکرہ ہوا جو واقع ہو چکا ہے اور پھر فعل مضارع سے ان انعامات کا تذکرہ ہوا جو بتکرار ہوتے رہتے ہیں' اور اگر یہاں بھی ماضی ہی کا صیغہ استعمال کیا جاتا تو وہ قطعاً مناسب نہ ہوتا۔ واللہ اعلم!

سورۃ الروم کی آیت بھی کچھ مختلف نہیں' دیکھئے کہ وہاں پہلے ہی بارانِ رحمت کے نزول کا ذکر تھا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ (آیت ۴۶)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری کے ساتھ بھیجتا ہے۔''

یہاں پر چند انعامات کا ذکر ہوا: ہواؤں کا بھیجا جانا' کشتی کا پانی کی سطح پر رواں دواں ہونا' اللہ کے رزق کو دونوں حالتوں میں تلاش کرنا' چاہے سفر ہو یا اقامت ہو۔ اب اس کے بعد اللہ کے رسول کی تسلی اور وعدۂ الٰہی کی بشارت کے ضمن میں چند کلمات کہے جاتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾﴾

''اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا' وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے' اور پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا' اور ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم مؤمنوں کی مدد کریں۔''

اور پھر سلسلہ کلام کو پچھلے مضمون سے جوڑ دیا گیا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ تھا' کہ جس کا آغاز بارانِ رحمت کے تذکرے سے ہوا تھا اور چونکہ درمیان میں ایک آیت آ گئی تھی' اس لیے سلسلہ کلام کو دوبارہ بارانِ رحمت

ہی کے تذکرہ سے شروع کیا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ﴾ ''اور وہی اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے''۔ اور پھر بارانِ رحمت کے ضمن میں چند اور انعامات کا تذکرہ کیا جن کا پہلے ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ یہاں پہلے کی طرح مستقبل کا صیغہ استعمال کیا گیا تاکہ پچھلی آیت سے مناسبت باقی رہے اور اگر ماضی کا صیغہ لایا جاتا تو قطعاً مناسب نہ تھا۔ واللہ اعلم!

اب آیئے سورۃ الفرقان کی آیت کی طرف اور ملاحظہ کیجیے اس سے پہلی آیات کو:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیسے سائے کو پھیلایا؟ وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا دیتا' اور پھر ہم نے سورج کو اس پر ایک دلیل بنا دیا۔''

﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾﴾

''اور پھر اسے ہم نے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔''

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾﴾

''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو باعث راحت بنایا اور ہم نے دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔''

اب دیکھئے کہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی متعدد نشانیوں کا بیان ہوا' اور چونکہ ہر ایک نشانی کا تعلق ایک خاص وقت سے ہے اس لیے انہیں ماضی کے صیغے سے بیان کیا گیا' حالانکہ یہ نشانیاں بھی بار بار آتی ہیں' اور یہ اس لیے بھی مناسب تھا کہ اس سورت کا آغاز ہی ماضی کے صیغے سے ہو رہا ہے اور وہاں شروع ہی سے ان آیات کا تذکرہ ہے جو بغرض عبرت لائی گئی ہیں اور ان کا تعلق مستقبل کی خبروں سے نہیں ہے' اس لیے ان کے بعد بارانِ رحمت کا تذکرہ بھی ماضی کے صیغہ سے لانا مناسب تھا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ﴾

''اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔''

اور یہاں اس لحاظ سے مستقبل کا صیغہ لانا مناسب نہ تھا۔ اور جہاں تک آیت سورۃ الملائکہ (فاطر) کا تعلق ہے تو اس کی بنیاد سورت کا آغاز ہے' جہاں ارشاد فرمایا گیا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ﴾ (آیت ۱)

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور پروں والے فرشتوں کو بحیثیت پیغامبر بنانے والا ہے۔''

یہاں یہ دونوں الفاظ ''فاطر'' اور ''جاعل'' ماضی کے معنی میں ہیں' اور ان کا دوسرا کوئی مطلب نہیں لیا جا سکتا اور پھر اس آیت کے بعد کسی ایسی مخلوق کا تذکرہ نہیں ہے جس کا ذکر عبرت کے لیے کیا گیا ہو سوائے اس آیت کے جس کا تعلق بارانِ رحمت سے ہے:

﴿وَاللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ﴾ ’’اور وہی اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔‘‘

یہاں اسی صیغہ ماضی کا لحاظ رکھا گیا جو ’’فاطر‘‘ اور ’’جاعل‘‘ یعنی اسم فاعل بمعنی فعل ماضی کے حکم میں ہے۔ ماضی کی مناسبت سے ماضی کا صیغہ لانا ہی بہتر تھا نہ کہ مستقبل کا۔

اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ آغاز سورت سے لے کر مذکورہ آیت (نمبر ۹) تک جو باتیں بیان ہوئی ہیں‘ ان میں کوئی ایسی چیز بیان نہیں ہوئی جو غور وفکر اور عبرت پکڑنے کے لیے ہو‘ صرف یہی تین چیزیں (زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور ہواؤں کا بھیجنا) ایسی ہیں جن سے عبرت پکڑی جا سکتی ہے۔

ملاحظہ ہو کہ پہلی آیت میں ﴿یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ﴾ (وہ جیسا چاہتا ہے‘ اپنی تخلیق میں بڑھاتا ہے) سے لے کر آیت ۹ تک جو مضمون بیان ہوا ہے‘ گو وہ معانی و مطالب کے اعتبار سے باہم دگر مربوط ہے لیکن‘ جیسا کہ ہم نے عرض کیا‘ بطور عبرت کے لیے نہیں لایا گیا۔ اس لیے ہم ایک دفعہ پھر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہاں آغاز جس صیغہ ماضی سے کیا گیا تھا‘ آیت ۹ میں بھی اس کا لحاظ رکھنا مناسب تھا۔

دوسرے سوال کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ سورۃ الاعراف کی آیت سے قبل کی آیات ملاحظہ ہوں:

﴿اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ﴾ (آیت ۵۴)

’’بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔‘‘

﴿اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَۃً ؕ﴾ (آیت ۵۵) ’’اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔‘‘

﴿وَ ادۡعُوۡہُ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ؕ﴾ (آیت ۶۵)

’’اور اسے پکارو اس سے ڈرتے ہوئے بھی اور اُمید رکھتے ہوئے بھی۔‘‘

اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾﴾

’’بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہے۔‘‘

اب دیکھئے ان آیات میں لطف ربانی کا تذکرہ ہے‘ اس کی شفقت و مہربانی کی یاددہانی ہے‘ امید افزائی ہے‘ اور بالکل اس کے قریب قریب سورۃ الفرقان کی آیات بھی ہیں‘ فرمایا:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿۴۵﴾﴾

’’کیا تم نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کی طرف کہ وہ کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اس کو مستقل ٹھہرائے رکھتا۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر راہنما بنایا۔‘‘

اور اس کے بعد فرمایا:

﴿وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّ النَّوۡمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّہَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾﴾

’’اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے اوڑھنا بنایا اور نیند کو آرام اور دن کو بنایا اٹھ کھڑے ہونے کا وقت۔‘‘

لطف ربانی یہاں اپنے اوج پر نظر آتا ہے اور مناسب تھا کہ ان دونوں سورتوں میں بارانِ رحمت کے بعد اس کے بشارت ہونے کا بھی ان الفاظ سے تذکرہ کیا جاتا: ﴿بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ﴾ اور چونکہ سورۃ الروم اور سورۃ الملائکہ (فاطر) دونوں میں اس لطف ربانی کا کلی یا جزئی کوئی ذکر نہیں ہوا تو بارانِ رحمت کے ذکر میں بھی وہ بشارت ذکر نہیں کی گئی جو کہ سورۃ الاعراف اور سورۃ الفرقان میں ذکر کی گئی تھی‘ یعنی ہر سورت کی آیات میں جو کچھ ذکر کیا گیا وہی مناسب تھا۔

اب آیئے تیسرے سوال کی طرف‘ کہ سورۃ الاعراف کی آیت میں ’’سَحَابًا ثِقَالًا‘‘ (بوجھل بادل) کے الفاظ آئے ہیں جو کہ دوسری سورتوں میں وارد نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں ملاحظہ فرمایئے کہ ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ میں لفظ ’’کُل‘‘ سے عموم ثابت ہو رہا ہے۔ فرمایا: ’’ہم نے ہر طرح کے پھل اس پانی سے نکالے۔‘‘ کیا اس سے پانی کی کثرت کی طرف اشارہ نہیں ہے؟ پھل اس لیے زیادہ ہوئے کہ پانی کثرت سے نازل ہوا کہ جس کی طرف ’’ثِقَالًا‘‘ کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔

ترتیب کلام یوں ہے کہ ہواؤں نے بادلوں کو ہنکایا تو وہ بے پناہ پانی کے ذخیرے کے ساتھ پھیلتے گئے جس کے نتیجے میں بارش فراوانی سے برسی اور پھر پھل بھی کثرت سے پیدا ہوتے گئے۔ صرف بادلوں کو ہنکانے سے پھلوں کی فراوانی کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا‘ اِلّا یہ کہ بادلوں کے اس وصف کو بھی بیان کیا جائے کہ وہ پانی سے بوجھل ہو رہے تھے۔ یہاں نہ صرف کلام میں ایجاز اور اختصار ہے بلکہ اس میں وسعت اور برکت کے عام ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ باقی دوسری آیات میں چونکہ پانی کے ان اثرات کا ذکر نہیں ہے‘ اس لیے صرف بادلوں کے ہنکائے جانے کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

یہاں سوال کرنے والا سوال کر سکتا ہے کہ سورۃ الملائکہ میں جب یہ الفاظ وارد ہوئے: ﴿فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ﴾ ’’اور پھر ہم نے زمین کو اس پانی سے زندہ کر دیا جبکہ وہ مردہ ہو چکی تھی۔‘‘ تو کیا یہاں عموم نہیں ہے؟ پھر یہاں صرف ﴿تُثِيْرُ سَحَابًا﴾ (پھر وہ بادلوں کو ہنکاتی ہیں) کہنے پر اکتفا کیوں کیا گیا؟

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ لفظ ’’ارض‘‘ ہر جگہ عموم کے لیے نہیں استعمال ہوتا کہ وہ ان الفاظ میں سے نہیں ہے جو عموم پر دلالت کرتے ہوں۔ دلیل کے طور پر ملاحظہ ہو: ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ (القصص: ۴) ’’بے شک فرعون نے زمین میں بڑائی کا اظہار کیا۔‘‘ ظاہر ہے فرعون ساری زمین پر نہیں بلکہ اس کے ایک ٹکڑے پر قابض رہا۔ اور اسی طرح راہ زنوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ﴾ (المائدۃ: ۳۳) ’’یا وہ زمین سے جلاوطن کیے جائیں۔‘‘

تو واضح ہو گیا کہ ’’الارض‘‘ میں ’’الف لام‘‘ عموم کے لیے نہیں ہے‘ اور نہ ہی اس میں عمومیت کا وہ معنی پایا جاتا ہے جو لفظ ’’کُلّ‘‘ اور ’’طُرًّا‘‘ اور ’’اجمعین‘‘ میں پایا جاتا ہے‘ اور اس لحاظ سے سورۃ الملائکہ میں ہواؤں کے

ہنکائے جانے کے تذکرے پر اکتفا کرنا مناسب تھا۔

سورۃ الروم میں بھی عموم نہیں پایا گیا بلکہ سورۃ الرّوم کی آیت میں جو قید یا تحدید ذکر کی گئی اس سے تو آیت میں خصوصیت کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ دیکھئے وہاں یہ الفاظ ہیں: ﴿فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ ''اور پھر جب یہ بارش برستی ہے اس کے ان بندوں پر جنہیں وہ چاہتا ہے''۔ تو یہاں بھی صرف ہواؤں کے ہنکائے جانے کا تذکرہ کافی تھا۔

سورۃ الفرقان کی آیت میں ہواؤں کے ہنکانے (اِثَارَةُ السَّحَابِ) کی جگہ انہیں بحیثیت بشارت بھیجے جانے کا تذکرہ ہے‘ فرمایا: ﴿بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ (بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری)

اور وہ اس لیے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر مقصود ہے‘ اور یہاں عبرت ونصیحت کا ثانوی طور پر لحاظ کیا گیا ہے‘ اس لیے کہ اس آیت سے قبل ارشاد ہوا:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾﴾

اور اس لحاظ سے ہر آیت کے الفاظ اپنی اپنی جگہ پوری پوری مناسبت رکھتے ہیں اور اس کا الٹ کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ واللہ اعلم!

(اس مضمون سے متعلق باقی سوالات کے جوابات اگلی قسط میں ملاحظہ ہوں!)

❁❁❁

بقیہ: حرفِ اوّل

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے‘ اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے‘ اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے‘ میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔''

(۱) مراجع ومصادر

- معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیعؒ
- بیان القرآن از ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
- تدبرِ قرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ
- تفہیم القرآن از مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ

❁❁❁

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی ونحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ التوبۃ

آیات ۶۷ تا ۷۲

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا
وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ
وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ
اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ
جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾﴾

ع د ن

عَدَنَ يَعْدِنُ (ض) وَيَعْدُنُ (ن) عَدْنًا: کسی جگہ کو وطن بنانا۔

عَدَنٌ : بہشت کے ایک مقام کا نام۔ زیر مطالعہ آیت ۷۲

عَدَنٌ : ملک یمن کے ایک شہر کا نام۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

ترکیب

(آیت ۶۸) حَسْبُهُمْ کی تمیز محذوف ہے جو جزاءً ہوسکتی ہے۔ (آیت ۷۰) نَبَاُ مضاف ہے‘ اَلَّذِیْنَ اس کا مضاف الیہ ہے۔ قَوْمِ، اَصْحٰبِ اور اَلْمُؤْتَفِكٰتِ کی جر بتا رہی ہے کہ یہ اَلَّذِیْنَ کا بدل ہیں اور نَبَاُ پر عطف ہیں۔ (آیت ۷۲) وَعَدَ کے دو مفعول آتے ہیں‘ کس سے وعدہ کیا اور کس چیز کا وعدہ کیا۔ یہاں وَعَدَ کے مفعول اوّل اَلْمُؤْمِنِیْنَ اور اَلْمُؤْمِنٰتِ ہیں جبکہ جَنّٰتٍ اور مَسٰكِنَ طَيِّبَةً مفعول ثانی ہیں۔

ترجمہ:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ : منافق مرد
وَالْمُنٰفِقٰتُ : اور منافق عورتیں‘
بَعْضُهُمْ : ان کے بعض
مِّنْ بَعْضٍ : بعض میں سے ہیں
(یعنی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں)
يَاْمُرُوْنَ : وہ ترغیب دیتے ہیں
بِالْمُنْكَرِ : برائی کی
وَيَنْهَوْنَ : اور منع کرتے ہیں
عَنِ الْمَعْرُوْفِ : بھلائی سے
وَيَقْبِضُوْنَ : اور سکیڑتے ہیں
اَيْدِيَهُمْ : اپنے ہاتھوں کو
نَسُوا اللّٰهَ : وہ بھول گئے اللہ کو
فَنَسِيَهُمْ : تو وہ (یعنی اللہ) بھول گیا ان کو
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ : بے شک منافق لوگ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ : ہی نافرمانی کرنے والے ہیں
وَعَدَ اللّٰهُ : وعدہ کیا اللہ نے
الْمُنٰفِقِيْنَ : منافق مردوں سے
وَالْمُنٰفِقٰتِ : اور منافق عورتوں سے
وَالْكُفَّارَ : اور کافروں سے
نَارَ جَهَنَّمَ : جہنم کی آگ کا
خٰلِدِيْنَ : ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے
فِيْهَا : اس میں
هِيَ حَسْبُهُمْ : ان کو کافی ہے (بطور بدلہ کے)
وَلَعَنَهُمُ : اور ان پر لعنت کی
اللّٰهُ : اللہ نے
وَلَهُمْ : اور ان کے لیے
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ : ایک قائم رہنے والا عذاب ہے
كَالَّذِيْنَ : ان کی مانند جو
مِنْ قَبْلِكُمْ : تم لوگوں سے پہلے تھے
كَانُوْٓا : وہ لوگ تھے
اَشَدَّ : زیادہ سخت
مِنْكُمْ : تم سے
قُوَّةً : بلحاظ قوت کے
وَّاَكْثَرَ : اور زیادہ کثرت والے
اَمْوَالًا : بلحاظ مال کے
وَّاَوْلَادًا : اور اولاد کے
فَاسْتَمْتَعُوْا : تو انہوں نے فائدہ اٹھایا

بِخَلَاقِهِمْ : اپنے حصے سے

بِخَلَاقِكُمْ : اپنے حصے سے

اسْتَمْتَعَ : فائدہ اٹھایا

مِنْ قَبْلِكُمْ : تم سے پہلے تھے

وَخُضْتُمْ : اور تم نے (بھی) بے پر کی اڑائی

خَاضُوْا : انہوں نے بے پر کی اڑائی

حَبِطَتْ : اکارت گئے

فِي الدُّنْيَا : دنیا میں

وَاُولٰٓئِكَ : اور وہ لوگ

اَلَمْ يَاْتِهِمْ : کیا نہیں پہنچی ان کو

مِنْ قَبْلِهِمْ : ان سے پہلے تھے

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ : اور ابراہیمؑ کی قوم کی (خبر)

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ : اور الٹ جانے والی (بستیوں) کی (خبر)

رُسُلُهُمْ : ان کے رسول

فَمَا كَانَ اللّٰهُ : تو نہیں ہے اللہ

وَلٰكِنْ : اور لیکن

وَالْمُؤْمِنُوْنَ : اور مؤمن مرد

بَعْضُهُمْ : ان کے بعض

بَعْضٍ : بعض کے

بِالْمَعْرُوْفِ : بھلائی کی

عَنِ الْمُنْكَرِ : برائی سے

الصَّلٰوةَ : نماز کو

الزَّكٰوةَ : زکوٰۃ کو

وَرَسُوْلَهٗ : اور اس کے رسول کی

فَاسْتَمْتَعْتُمْ : پھر تم لوگوں نے فائدہ اٹھایا

كَمَا : اس کی مانند جو

الَّذِيْنَ : انہوں نے جو

بِخَلَاقِهِمْ : اپنے حصے سے

كَالَّذِيْ : اس کے جیسی جو

اُولٰٓئِكَ : وہ لوگ ہیں

اَعْمَالُهُمْ : جن کے اعمال

وَالْاٰخِرَةِ : اور آخرت میں

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ : ہی خسارہ پانے والے ہیں

نَبَاُ الَّذِيْنَ : ان لوگوں کی خبر جو

قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ : ثمود اور عاد اور نوحؑ کی قوم کی (خبر)

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ : اور مدین والوں کی (خبر)

اَتَتْهُمْ : پہنچے ان کے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ : واضح (نشانیوں) کے ساتھ

لِيَظْلِمَهُمْ : کہ وہ ظلم کرتا ان پر

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ : وہ اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے

وَالْمُؤْمِنٰتُ : اور مؤمن عورتیں

اَوْلِيَآءُ : کارساز ہیں

يَاْمُرُوْنَ : ترغیب دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ : اور منع کرتے ہیں

وَيُقِيْمُوْنَ : اور قائم رکھتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ : اور پہنچاتے ہیں

وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ : اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی

اُولٰٓئِكَ : وہ لوگ ہیں

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ : رحم کرے گا جن پر اللہ — اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ
عَزِيْزٌ : بالادست ہے — حَكِيْمٌ : حکمت والا ہے
وَعَدَ اللّٰهُ : وعدہ کیا اللہ نے — الْمُؤْمِنِيْنَ : مؤمن مردوں سے
وَالْمُؤْمِنٰتِ : اور مؤمن عورتوں سے — جَنّٰتٍ : ایسے باغات کا
تَجْرِيْ : بہتی ہیں — مِنْ تَحْتِهَا : جن کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ : نہریں — خٰلِدِيْنَ : ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے
فِيْهَا : اس میں — وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً : اور پاکیزہ ٹھکانوں کا
فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ : عدن کے باغات میں — وَرِضْوَانٌ : اور رضامندی
مِّنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے — اَكْبَرُ : سب سے بڑی ہے
ذٰلِكَ : یہ — هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ : ہی عظیم کامیابی ہے

آیات ۷۳ تا ۸۰

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ (۷۳) يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ
وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ
خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۷۴) وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ (۷۵) فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (۷۶) فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا
فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (۷۷) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۷۸) اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ
مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۷۹) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ (۸۰)﴾

ترکیب

(آیت ۷۶) اٰتٰىهُمْ میں هُمْ کی ضمیر اٰتٰی کا مفعول اوّل ہے' جبکہ اس کا مفعول ثانی محذوف ہے' جو کہ مالًا ہوسکتا ہے۔ بَخِلُوْا بِهٖ میں بِهٖ کی ضمیر اسی مفعول محذوف یعنی مالًا کے لیے ہے۔ (آیت ۷۷) اِلٰى يَوْمِ نہیں آیا

ہے بلکہ اِلٰی یَوْمِ آیا ہے‘اس سے معلوم ہوگیا کہ یَوْمِ مضاف ہے اور یَلْقَوْنَہٗ کا پورا جملہ فعلیہ مضاف الیہ ہے۔ یہ عربی کی مخصوص ترکیب ہے جو اردو میں مستعمل نہیں ہے اس لیے یَلْقَوْنَ کا ترجمہ مضارع کے طور پر کرنے کے بجائے مصدر کے طور پر کرنا اردو محاورہ کی مجبوری ہے۔ (آیت ۸۰) اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ کے آگے سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ محذوف ہے۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ کا مفعول مطلق اِسْتِغْفَارًا محذوف ہے۔ اس کی جگہ پر آنے کی وجہ سے سَبْعِیْنَ حالتِ نصب میں ہے۔

ترجمہ:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ: اے نبی (ﷺ)

جَاھِدِ: آپؐ کشمکش کریں

الْکُفَّارَ: کافروں سے

وَالْمُنٰفِقِیْنَ: اور منافقوں سے

وَاغْلُظْ: اور آپؐ سخت ہوں

عَلَیْھِمْ: ان پر

وَمَاْوٰھُمْ: اور ان کا ٹھکانہ

جَھَنَّمُ: جہنم ہے

وَبِئْسَ: اور کتنا برا ہے وہ

الْمَصِیْرُ: لوٹنے کا ٹھکانہ

یَحْلِفُوْنَ: وہ لوگ قسم کھاتے ہیں

بِاللّٰہِ: اللہ کی

مَا قَالُوْا: (کہ) انہوں نے نہیں کہا

وَلَقَدْ قَالُوْا: حالانکہ یقیناً وہ کہہ چکے ہیں

کَلِمَۃَ الْکُفْرِ: کفر کی بات

وَکَفَرُوْا: اور انہوں نے کفر کیا

بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ: اپنے اسلام کے بعد

وَھَمُّوْا: اور انہوں نے ارادہ کیا

بِمَا: اس (چیز) کا جو

لَمْ یَنَالُوْا: نہیں پہنچی (ان کو)

وَمَا نَقَمُوْٓا: اور انہیں برا نہیں لگا

اِلَّآ اَنْ: مگر (یہ) کہ

اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ: غنی کیا ان کو اللہ نے

وَرَسُوْلُہٗ: اور اس کے رسول نے

مِنْ فَضْلِہٖ: اپنے فضل سے

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا: پس اگر یہ لوگ توبہ کریں

یَکُ: تو یہ ہوگا

خَیْرًا لَّھُمْ: بہتر ان کے لیے

وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا: اور اگر وہ روگردانی کریں گے

یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ: تو عذاب دے گا ان کو اللہ

عَذَابًا اَلِیْمًا: ایک دردناک عذاب

فِی الدُّنْیَا: دنیا میں

وَالْاٰخِرَۃِ: اور آخرت میں

وَمَا لَھُمْ: اور ان کے لیے نہیں ہے

فِی الْاَرْضِ: زمین میں

مِنْ وَّلِیٍّ: کسی قسم کا کوئی کارساز

وَّلَا نَصِیْرٍ: اور نہ ہی کوئی مددگار

وَمِنْھُمْ مَّنْ: اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے

عٰھَدَ اللّٰہَ: معاہدہ کیا اللہ سے

لَئِنْ اٰتٰنَا: (کہ) بے شک اگر اس نے دیا ہم کو

مِنْ فَضْلِهٖ: اپنے فضل سے

لَنَصَّدَّقَنَّ: تو ہم لازماً صدقہ خیرات کریں گے

وَلَنَكُوْنَنَّ: اور ہم لازماً ہو جائیں گے

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ: صالح لوگوں میں سے

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ: پھر جب اس نے دیا ان کو

مِّنْ فَضْلِهٖ: اپنے فضل سے

بَخِلُوْا بِهٖ: تو انہوں نے بخل کیا اس کے ساتھ

وَتَوَلَّوْا: اور روگردانی کی

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ: اور وہ اعراض کرنے والے (ہی) تھے

فَاَعْقَبَهُمْ: تو اس نے بدلے میں دیا ان کو

نِفَاقًا: ایک نفاق

فِيْ قُلُوْبِهِمْ: ان کے دلوں میں

اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ: اس سے ملنے کے دن تک

بِمَآ: بسبب اس کے جو

اَخْلَفُوا اللّٰهَ: انہوں نے خلاف کیا اللہ سے

مَا وَعَدُوْهُ: اس کے جو انہوں نے وعدہ کیا

وَبِمَا: اور بسبب اس کے جو

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ: وہ جھوٹ بولا کرتے تھے

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا: کیا انہوں نے نہیں جانا

اَنَّ اللّٰهَ: کہ اللہ

يَعْلَمُ: جانتا ہے

سِرَّهُمْ: ان کے راز کو

وَنَجْوٰىهُمْ: اور ان کی سرگوشی کو

وَاَنَّ اللّٰهَ: اور یہ کہ اللہ

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ: غیب (کی) باتوں کا خوب جاننے والا ہے

اَلَّذِيْنَ: وہ لوگ جو

يَلْمِزُوْنَ: عیب جوئی کرتے ہیں

الْمُطَّوِّعِيْنَ: نفلی عبادت کرنے والوں کی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: مؤمنوں میں سے

فِي الصَّدَقٰتِ: صدقہ خیرات (کے بارے) میں

وَالَّذِيْنَ: اور ان کی جو

لَا يَجِدُوْنَ: نہیں پاتے

اِلَّا جُهْدَهُمْ: مگر اپنی محنت (کی مزدوری) کو

فَيَسْخَرُوْنَ: تو وہ تمسخر کرتے ہیں

مِنْهُمْ: ان سے

سَخِرَ اللّٰهُ: تمسخر کیا اللہ نے

مِنْهُمْ: ان سے

وَلَهُمْ: اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ: ایک دردناک عذاب ہے

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ: آپ استغفار کریں ان کے لیے

اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ: یا آپ استغفار نہ کریں ان کے لیے (برابر ہے)

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ: اگر آپ استغفار کریں گے ان کے لیے

سَبْعِيْنَ مَرَّةً: ستر مرتبہ

فَلَنْ يَّغْفِرَ: تو (بھی) ہرگز معاف نہیں کرے گا

اللّٰہُ : اللہ	لَهُمْ : ان کو
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ : یہ اس سبب سے کہ انہوں نے	كَفَرُوْا بِاللّٰهِ : ناشکری کی اللہ کی
وَرَسُوْلِهٖ : اور اس کے رسول کی	وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي : اور اللہ ہدایت نہیں دیتا
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ: نافرمانی کرنے والے لوگوں کو	

نوٹ ۱ : آیت ۷۳ میں کفار اور منافقین سے جہاد اور اس میں شدت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کُفار سے جہاد کا معاملہ تو واضح ہے' جبکہ منافقین سے جہاد کا مطلب رسول اللہ ﷺ کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے' کہ ان کو اسلام کے سمجھنے کی دعوت دیں تا کہ وہ اپنے دعوائے اسلام میں مخلص ہو جائیں۔

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ میں لفظ غِلَظ کے معنی یہ ہیں کہ مخاطب جس طرزِ عمل کا مستحق ہے اس میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس جگہ لفظ غلظ استعمال کرنے سے عملی سختی مراد ہے کہ ان پر احکامِ شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے۔ زبان اور کلام میں سختی اختیار کرنا مراد نہیں ہے' کیونکہ یہ سنت انبیاء کے خلاف ہے' وہ کسی سے سخت کلامی نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے عمل میں بھی کہیں یہ ثابت نہیں کہ کفار و منافقین سے گفتگو اور خطاب میں کبھی سختی اختیار فرمائی ہو۔

افسوس کہ خطاب اور کلام میں سختی کو کفار کے مقابلہ میں بھی اسلام نے اختیار نہیں کیا' لیکن آج کل کے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تو اس کو دین کی خدمت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔ (معارف القرآن)

آیات ۸۱ تا ۸۹

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا
يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ
رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ
تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَلَا تُصَلِّ
عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ
فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا
وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ
اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ
الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

ب ک ی

بَکٰی یَبْکِیْ (ض) بُکَاءً: رونا۔ ﴿فَمَا بَکَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ (الدخان:۲۹) ''تو نہ روئے ان پر آسمان اور زمین۔''

بَاکٍ ج بُکِیٌّ: فاعل کے وزن پر صفت ہے۔ ﴿سُجَّدًا وَّبُکِیًّا ﴿۵۸﴾﴾ (مریم) ''سجدہ کرنے والے اور رونے والے ہوتے ہوئے۔''

اَبْکٰی (افعال) اِبْکَاءً: کسی کو رلانا۔ ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْکٰی ﴿۴۳﴾﴾ (النجم) ''اور یہ کہ وہ ہنساتا ہے اور رلاتا ہے۔''

ق ب ر

قَبَرَ یَقْبِرُ (ض) وَیَقْبُرُ (ن) قَبْرًا: میت کو دفن کرنا۔

قَبْرٌ ج قُبُوْرٌ (اسم ذات بھی ہے): قبر۔ زیر مطالعہ آیت ۸۴۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾﴾ (الحج) ''اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔''

مَقْبَرَةٌ ج مَقَابِرُ (اسم الظرف): دفن کرنے کی جگہ، قبرستان۔ ﴿حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾﴾ (التکاثر) ''یہاں تک کہ تم لوگوں نے دیکھا قبرستانوں کو۔''

اَقْبَرَ (افعال) اِقْبَارًا: کسی کے لیے قبر مہیا کرنا، دفن کرانا۔ ﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾﴾ (عبس) ''پھر اس نے موت دی اس کو پھر اس نے دفن کرایا اس کو۔''

ترکیب

(آیت ۸۱) خِلَافُ ظرف کے معنی میں بھی آتا ہے اور باب مفاعلہ کا مصدر بھی ہے۔ یہاں دونوں معانی لینے کی گنجائش ہے، اس لیے دونوں ترجمے درست مانے جائیں گے۔ ہم ظرف کے معنی میں ترجمہ کریں گے۔ خِلٰفَ کی نصب ظرف ہونے کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے اور اگر اس کو بابِ مفاعلہ کا مصدر مانیں تو پھر حال یا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے۔ کَانُوْا یَفْقَهُوْنَ کے شروع میں لَوْ آ جانے کی وجہ سے اس کے ماضی استمراری ہونے کی گنجائش نہیں رہی۔ اس لیے یہاں کَانُوْا فعل ناقص ہے، اس کا اسم اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے اور یَفْقَهُوْنَ جملہ فعلیہ ہو کر اس کی خبر ہے۔ (آیت ۸۳) اَوَّلَ مَرَّةٍ میں اَوَّلَ کی نصب اس کے ظرف ہونے کی وجہ سے ہے۔ (آیت ۸۴) اَحَدٍ نکرہ موصوفہ ہے اور مَاتَ اس کی صفت ہے۔

ترجمہ:

فَرِحَ: خوش ہوئے	الْمُخَلَّفُوْنَ: پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ
بِمَقْعَدِهِمْ: اپنے بیٹھ رہنے پر	خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ: اللہ کے رسول کے پیچھے

وَكَرِهُوْٓا: اور انہوں نے ناپسند کیا
بِاَمْوَالِهِمْ: اپنے مالوں سے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اللہ کی راہ میں
لَا تَنْفِرُوْا: تم لوگ مت نکلو
قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ: آپؐ کہہ دیجیے جہنم کی آگ
لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ: کاش وہ لوگ سمجھتے ہوتے
قَلِيْلًا: تھوڑا
كَثِيْرًا: زیادہ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: بسبب اس کے جو وہ کماتے تھے
اِلٰى طَآئِفَةٍ: کسی گروہ کی طرف
فَاسْتَاْذَنُوْكَ: پھر وہ اجازت مانگیں آپؐ سے
فَقُلْ: تو آپؐ کہیں
مَعِيَ: میرے ساتھ
وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا: اور تم ہرگز جنگ مت کرو
عَدُوًّا: کسی دشمن سے
بِالْقُعُوْدِ: بیٹھ رہنے پر
فَاقْعُدُوْا: پس تم لوگ بیٹھو
وَلَا تُصَلِّ: اور آپؐ نماز نہ پڑھیں
مَّاتَ: جو مردہ ہوا
وَّلَا تَقُمْ: اور آپؐ مت کھڑے ہوں
اِنَّهُمْ: بے شک انہوں نے
وَرَسُوْلِهٖ: اور اس کے رسول کی
وَهُمْ فٰسِقُوْنَ: اس حال میں کہ وہ نافرمانی کرنے والے تھے
اَمْوَالُهُمْ: ان کے اموال
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ: کچھ نہیں سوائے اس کے کہ چاہتا ہے اللہ

اَنْ يُّجَاهِدُوْا: کہ وہ جہاد کریں
وَاَنْفُسِهِمْ: اور اپنی جانوں سے
وَقَالُوْا: اور انہوں نے کہا
فِي الْحَرِّ: گرمی میں
اَشَدُّ حَرًّا: سب سے سخت ہے بلحاظ گرمی کے
فَلْيَضْحَكُوْا: پس چاہیے کہ وہ لوگ ہنسیں
وَّلْيَبْكُوْا: اور رو دیں
جَزَآءً: بدلہ ہوتے ہوئے
فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ: پس اگر لوٹائے آپؐ کو اللہ
مِّنْهُمْ: ان میں سے
لِلْخُرُوْجِ: نکلنے کے لیے
لَّنْ تَخْرُجُوْا: تم لوگ ہرگز مت نکلو
اَبَدًا: کبھی بھی
مَعِيَ: میرے ساتھ (مل کر)
اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ: بے شک تم راضی ہوئے
اَوَّلَ مَرَّةٍ: پہلی مرتبہ
مَعَ الْخٰلِفِيْنَ: پیچھے رہنے والوں کے ساتھ
عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ: کسی ایک پر ان میں سے
اَبَدًا: کبھی بھی
عَلٰى قَبْرِهٖ: اس کی قبر پر
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ: ناشکری کی اللہ کی
وَمَاتُوْا: اور وہ مرے
وَلَا تُعْجِبْكَ: اور چاہیے کہ حیرت میں نہ ڈالیں آپؐ کو
وَاَوْلَادُهُمْ: اور ان کی اولاد
اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا: کہ وہ عذاب دے ان کو ان سے

فِي الدُّنْيَا : دنیا میں
اَنْفُسُهُمْ : ان کی جانیں
كٰفِرُوْنَ : کفر کرنے والوں میں ہوں
سُوْرَةٌ : کوئی سورت
بِاللّٰهِ : اللہ پر
مَعَ رَسُوْلِهٖ : اس کے رسول کے ساتھ (مل کر)
اُولُوا الطَّوْلِ : دولت والے
وَقَالُوْا : اور کہتے ہیں
نَكُنْ : تو ہم ہو جائیں
رَضُوْا : وہ لوگ راضی ہوئے
مَعَ الْخَوَالِفِ : پیچھے رہنے والوں کے ساتھ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ : ان کے دلوں پر
لٰكِنِ الرَّسُوْلُ : لیکن (یعنی جبکہ) یہ رسولؐ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ : ایمان لائے انؐ کے ساتھ
بِاَمْوَالِهِمْ : اپنے مالوں سے
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ : اور وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ : تیار کیے اللہ نے ان کے لیے
تَجْرِيْ : بہتی ہیں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا : ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں

وَتَزْهَقَ : اور نکلیں
وَهُمْ : اس حال میں کہ وہ لوگ
وَاِذَآ اُنْزِلَتْ : اور جب کبھی اتاری جاتی ہے
اَنْ اٰمِنُوْا : کہ تم لوگ ایمان لاؤ
وَجَاهِدُوْا : اور جہاد کرو
اسْتَاْذَنَكَ : تو اجازت مانگتے ہیں آپؐ سے
مِنْهُمْ : ان میں سے
ذَرْنَا : آپؐ چھوڑ دیں ہم کو
مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ : بیٹھنے والوں کے ساتھ
بِاَنْ يَّكُوْنُوْا : اس پر کہ وہ ہوں
وَطُبِعَ : اور چھاپ لگائی گئی
فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ : نتیجتاً وہ لوگ سوجھ بوجھ نہیں رکھتے
وَالَّذِيْنَ : اور وہ لوگ جو
جٰهَدُوْا : جہاد کرتے ہیں
وَاَنْفُسِهِمْ : اور اپنی جانوں سے
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ : اور وہ لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں
جَنّٰتٍ : ایسے باغات
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ : جن کے نیچے سے نہریں
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ : یہ ہی عظیم کامیابی ہے

آیات ۹۰ تا ۹۹

﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۹۰ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى
وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ
اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا
السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا
تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ
تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا
يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ
مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾
وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ
الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ﴾

ع ر ب

عَرُبَ يَعْرُبُ (ک) عَرْبًا : کسی چیز کا صاف اور واضح ہونا، فصیح زبان بولنا۔

عَرَبِیٌّ : عرب سے نسبت رکھنے والا، عرب کا باشندہ، عرب کی زبان۔ ﴿وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾﴾ (النحل) ''اور یہ واضح عربی زبان ہے۔''

اَعْرَابِیٌّ ج اَعْرَابٌ : صاف اور کھلی فضا میں رہنے والا، دیہاتی۔ لیکن یہ لفظ صرف عرب کے دیہاتی کے لیے مختص ہو چکا ہے۔ زیر مطالعہ آیت ۹۰۔

عَرُبَۃٌ ج عُرُوْبٌ : (قرآن مجید میں اس کی جمع عُرُب آئی ہے) محبت ظاہر کرنے والی عورت۔ ﴿عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾﴾ (الواقعة) ''محبت ظاہر کرنے والیاں، ہم عمر ہونے والیاں ہوتے ہوئے، داہنی جانب والوں کے لیے۔''

ج د ر

جَدَرَ يَجْدُرُ (ن) جَدْرًا : دیواروں سے گھرنا، دیوار کی اوٹ میں ہونا۔

جِدَارٌ ج جُدُرٌ (اسم ذات) : دیوار۔ ﴿فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا﴾ (الکہف:۷۷) ''تو انہوں نے پائی اس میں ایک دیوار''۔ ﴿اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ﴾ (الحشر:۱۴) ''یا کچھ دیواروں کے پیچھے سے۔''

جَدُرَ يَجْدُرُ (ک) جَدَارَةً : لائق ہونا، اہل ہونا۔

اَجْدَرُ (افعل التفضیل کے وزن پر صفت) : بہت لائق، بہت اہل۔ زیر مطالعہ آیت ۹۷۔

ترکیب

(آیت۹۱) لَیۡسَ کا اسم موخرنکرہ حَرَجٌ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ وَاجِبٌ یا ثَابِتٌ ہوسکتی ہے۔عَلَی الضُّعَفَاءِ سے یُنۡفِقُوۡنَ تک قائم مقام خبر ہے۔ مَا نافیہ کا اسم موخرنکرہ مِنۡ سَبِیۡلٍ ہے۔ یہ اصلاً سَبِیۡلٌ تھا' اس کو مزید نکرہ کرنے کے لیے مِنۡ لگایا گیا ہے۔ عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ قائم مقام خبر ہے۔ (آیت ۹۲) وَلَا عَلَی الَّذِیۡنَ گزشتہ آیت میں مَا مِنۡ سَبِیۡلٍ کی قائم مقام خبر ہے۔ اِذَا مَا میں مَا ظرفیہ ہے اور ظرفِ زمان ہے۔ (آیت ۹۷) اَجۡدَرُ خبر ہے۔ اس کا مبتدا ھُمۡ محذوف ہے۔ (آیت ۹۹) یَتَّخِذُ کا مفعول اول مَا ہے اور قُرُبٰتٍ اس کا مفعول ثانی ہے۔ صَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ کو یَتَّخِذُ کا مفعول اول بھی مانا جاسکتا ہے اور مفعول ثانی بھی۔ دونوں طرح سے ترجمے درست مانے جائیں گے۔ ہم مفعول ثانی مان کر ترجمہ کریں گے۔

ترجمہ:

وَجَآءَ: اور آئے

الۡمُعَذِّرُوۡنَ: بہانے بنانے والے

مِنَ الۡاَعۡرَابِ: دیہاتیوں میں سے

لِیُؤۡذَنَ: تاکہ اجازت دی جائے

لَھُمۡ: ان کو

وَقَعَدَ: اور بیٹھ رہے

الَّذِیۡنَ: وہ لوگ جنہوں نے

کَذَبُوا: جھوٹ کہا

اللہَ: اللہ سے

وَرَسُوۡلَہٗ: اور اس کے رسول سے

سَیُصِیۡبُ: آن لگے گا

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا: ان کو جنہوں نے کفر کیا

مِنۡھُمۡ: ان میں سے

عَذَابٌ اَلِیۡمٌ: ایک دردناک عذاب

لَیۡسَ: نہیں ہے

عَلَی الضُّعَفَآءِ: ضعیفوں پر

وَلَا عَلَی الۡمَرۡضٰی: اور نہ ہی مریضوں پر

وَلَا عَلَی الَّذِیۡنَ: اور نہ ہی ان پر جو

لَا یَجِدُوۡنَ: نہیں پاتے

مَا یُنۡفِقُوۡنَ: اس کو جو وہ لوگ خرچ کریں

حَرَجٌ: کوئی گناہ

اِذَا نَصَحُوۡا: جب کہ وہ (دل سے) صاف ہوئے

لِلہِ: اللہ کے لیے

وَرَسُوۡلِہٖ: اور اس کے رسول کے لیے

مَا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ: نہیں ہے بلاکم وکاست کام کرنے والوں پر

مِنۡ سَبِیۡلٍ: کسی قسم کا کوئی الزام

وَاللہُ: اور اللہ

غَفُوۡرٌ: بے انتہا بخشنے والا ہے

رَّحِیۡمٌ: ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

وَّلَا عَلَی الَّذِیۡنَ: اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جو

اِذَا مَآ: جس وقت

اَتَوۡکَ: پہنچے آپ کے پاس

لِتَحۡمِلَھُمۡ: تاکہ آپ سواری دیں ان کو

قُلۡتَ: تو آپ نے کہا

لَآ اَجِدُ : میں نہیں پاتا

عَلَیْہِ : جس پر

وَّاَعْیُنُھُمْ : اس حال میں کہ ان کی آنکھیں

مِنَ الدَّمْعِ : آنسو سے

اَلَّا یَجِدُوْا : کہ وہ نہیں پاتے

اِنَّمَا السَّبِیْلُ : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ الزام

یَسْتَاْذِنُوْنَکَ : اجازت مانگتے آپؐ سے

اَغْنِیَآءُ : غنی ہیں

بِاَنْ یَّکُوْنُوْا : اس پر کہ وہ ہوں

وَطَبَعَ اللّٰہُ : اور ٹھپہ لگا دیا اللہ نے

فَھُمْ : نتیجتاً وہ لوگ

یَعْتَذِرُوْنَ : وہ لوگ معذرت پیش کریں گے

اِذَا رَجَعْتُمْ : جب تم لوگ لوٹو گے

قُلْ : آپؐ کہہ دیجیے

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ : ہم ہرگز نہیں مانیں گے تمہاری بات

مِنْ اَخْبَارِکُمْ : تمہاری خبروں میں سے

عَمَلَکُمْ : تمہارے عمل کو

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ : پھر تم لوگ لوٹائے جاؤ گے

فَیُنَبِّئُکُمْ : پھر وہ جتلا دے گا تمہیں

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ : وہ لوگ قسم کھائیں گے اللہ کی

اِذَا انْقَلَبْتُمْ : جب تم لوگ پلٹو گے

لِتُعْرِضُوْا : تاکہ تم لوگ درگزر کرو

فَاَعْرِضُوْا : تو تم لوگ اعراض کرو

اِنَّھُمْ رِجْسٌ : بے شک وہ سب نجس ہیں

جَھَنَّمُ : جہنم ہے

مَآ اَحْمِلُکُمْ : اس کو کہ میں سوار کروں تم لوگوں کو

تَوَلَّوْا : وہ لوگ پلٹے

تَفِیْضُ : بہتی تھیں

حَزَنًا : اس غم میں

مَا یُنْفِقُوْنَ : اس کو جو وہ خرچ کریں

عَلَی الَّذِیْنَ : ان پر ہے جو

وَھُمْ : اس حال میں کہ وہ لوگ

رَضُوْا : وہ راضی ہوئے

مَعَ الْخَوَالِفِ : پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ

عَلٰی قُلُوْبِھِمْ : ان کے دلوں پر

لَا یَعْلَمُوْنَ : علم نہیں رکھتے

اِلَیْکُمْ : تمہاری طرف

اِلَیْھِمْ : ان کی طرف

لَا تَعْتَذِرُوْا : تم لوگ معذرت مت کرو

قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ : ہمیں بتا دیا ہے اللہ نے

وَسَیَرَی اللّٰہُ : اور دیکھے گا اللہ

وَرَسُوْلُہٗ : اور اس کا رسول (بھی)

اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ : موجود اور غائب کے جاننے والے کی طرف

بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ : وہ جو تم کرتے تھے

لَکُمْ : تمہارے لیے (یعنی سامنے)

اِلَیْھِمْ : ان کی طرف

عَنْھُمْ : ان سے

عَنْھُمْ : ان سے

وَمَاْوٰھُمْ : اور ان کا ٹھکانہ

جَزَآءً : بدلہ ہوتے ہوئے

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: اس کا جو وہ کماتے تھے

لِتَرْضَوْا: تاکہ تم لوگ راضی ہو جاؤ

فَاِنْ تَرْضَوْا: پس اگر تم لوگ راضی ہو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ: تو بے شک اللہ

عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ: نافرمانی کرنے والے لوگوں سے

اَشَدُّ: زیادہ سخت ہیں

وَّنِفَاقًا: اور بلحاظ نفاق کے

اَلَّا يَعْلَمُوْا: کہ وہ نہ جانیں

اَنْزَلَ اللّٰهُ: اُتارا اللہ نے

وَاللّٰهُ: اور اللہ

حَكِيْمٌ: حکمت والا ہے

مَنْ يَّتَّخِذُ: وہ بھی ہیں جو بناتے ہیں

مَغْرَمًا: ایک چٹی

بِكُمُ: تمہارے لیے

عَلَيْهِمْ: ان پر ہی ہے

وَاللّٰهُ: اور اللہ

عَلِيْمٌ: جاننے والا ہے

مَنْ يُّؤْمِنُ: وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اور آخری دن پر

مَا يُنْفِقُ: اس کو جو وہ خرچ کرتے ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ: اللہ کے پاس

اَلَآ اِنَّهَا: سنو! یقیناً یہ

لَّهُمْ: ان کے لیے

فِيْ رَحْمَتِهٖ: اپنی رحمت میں

غَفُوْرٌ: بے انتہا بخشنے والا ہے

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ: وہ قسم کھائیں گے تمہارے سامنے

عَنْهُمْ: ان سے

عَنْهُمْ: ان سے

لَا يَرْضٰى: راضی نہیں ہوگا

اَلْاَعْرَابُ: دیہاتی لوگ

كُفْرًا: بلحاظ کفر کے

وَّاَجْدَرُ: اور (وہ لوگ) اسی لائق ہیں

حُدُوْدَ مَآ: اس کی حدود کو جو

عَلٰى رَسُوْلِهٖ: اپنے رسول پر

عَلِيْمٌ: جاننے والا ہے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ: اور دیہاتیوں میں سے

مَا يُنْفِقُ: اس کو جو وہ خرچ کرتے ہیں

وَّيَتَرَبَّصُ: اور انتظار کرتے ہیں

الدَّوَآئِرَ: گردش (زمانہ) کا

دَآئِرَةُ السَّوْءِ: برائی کی گردش

سَمِيْعٌ: سننے والا ہے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ: اور دیہاتیوں میں سے

بِاللّٰهِ: اللہ پر

وَيَتَّخِذُ: اور وہ بناتے ہیں

قُرُبٰتٍ: قربت (کا ذریعہ)

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ: اور ان رسولؐ کی دعاؤں (کا ذریعہ)

قُرْبَةٌ: قربت کا ذریعہ ہیں

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ: داخل کرے گا ان کو اللہ

اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ

رَّحِيْمٌ: ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

فکرِ اقبال کی روشنی میں

اُمّتِ مُسلمہ کے مستقبل کی تشکیلِ نو

میں

اہلِ قلم کا رول (ROLE)

پاکستان کے اہلِ قلم و دانش حضرات کے غور و فکر کے لیے
چند عملی معروضات

از قلم: انجینئر مختار حسین فاروقی

عالمگیریت کے اثرات

● گزشتہ ایک صدی میں متعدد سائنسی ایجادات کی بدولت سفر کی سہولتوں اور رابطوں کی آسانی کے ساتھ باہمی گفتگو اور خبروں کی ترسیل میں ایسی جدت آ گئی ہے کہ فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں اور وقت بھی سمٹ گیا ہے' دنیا واقعی ایک 'عالمی گاؤں' (Global Village) بن کر رہ گئی ہے۔ کہاں جھنگ' کہاں لندن اور کہاں پُونہ —— چند ذہن قریب آئے ہیں اور ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہی حاصل کر رہے ہیں۔

اس عالمگیریت کے کئی اسباب ہیں اور ان میں بعض نہایت اہم اور عمیق ہیں اور زندگی کے اجتماعی شعبوں میں انہی اسباب کی لکیریں مستقبل کی طرف دراز ہو کر ایک یکسر نیا منظرنامہ نگاہوں کے سامنے لاتی ہیں۔

عالمگیریت کے ان اسباب میں سے بعض عوامل ایسے ہیں جو انسان کی دسترس میں ہیں اور قابلِ اصلاح بھی ہیں۔ ان عوامل پر غور و خوض کے بعد نیکی اور بدی' اچھائی اور برائی نیز انسان دوست رویّے اور انسان دشمن رویّے پہچان کر الگ الگ کیے جانا ضروری ہے۔ تاکہ نیکی' اچھائی اور انسان دوست رویّوں کو مل کر آگے بڑھایا جا سکے اور بدی' برائی اور انسان دشمن رویوں کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔

● اس سے پہلے کہ حالات کا بہاؤ مغربی طاقتوں کی عالمگیریت کے امر واقعہ ہونے پر 'مہر تصدیق' ثبت کر دے اور بدی' بُرائی اور انسان دشمن رویّوں کے جھنڈے ہر چہار طرف گاڑ دیے جائیں اور نیکی' اچھائی اور انسان دوست

رویوں کے علمبردار مایوس ہوکر (منہ دیکھتے رہ جائیں اور) بددل ہوجائیں اور ہمت کھو بیٹھیں ..... حقیقی انسانی اقدار کے فروغ کے لیے 'زبان وادب' کا بڑا عمل دخل ہے' یا بالفاظِ دیگر 'قلمی جہاد' وقت کی پکار ہے۔ اہلِ قلم حضرات چاہے شاعر ہوں' ادیب ہوں' افسانہ نگار ہوں' ناول نگار ہوں' نقاد ہوں' غرض 'زبان وادب' کی کسی صنعت سے تعلق رکھتے ہوں اس 'معرکہ' میں ہراول دستہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

● ماضی میں بھی معاشروں کے بنانے اور بگاڑنے میں' تہذیبوں کے عروج و زوال میں اور انقلاباتِ عالَم کے پس پردہ یہی طبقہ بہت مؤثر رہا ہے اور آج بھی بڑا مؤثر ہے۔ مغربی اقوام کی عالمگیریت کی حالیہ تحریک اور پھیلاؤ میں بھی 'زبان وادب' کے ماہرین ہی آج 'ملٹی میڈیا' پر چھائے ہوئے ہیں۔ اخبارات' رسائل' کُتب' ٹی وی' کیبل' فلم کی صنعت' انٹرنیٹ الغرض انسانی ذہن کو متاثر کرنے والی ہر چیز کے پس پردہ زبان وادب کے ماہرین ہی نظر آتے ہیں۔

● 'بولنا' انسانیت کا زیور ہے اور انسان کا طُرّہَ امتیاز۔ قرآن مجید میں بھی سورۃ الرحمٰن میں تخلیق انسان کے تذکرے کے بعد 'عَلَّمَہُ الْبَیَانَ' کے الفاظ آئے ہیں۔ بولنا (speaking) الفاظ کا متقاضی ہے اور الفاظ بنیادی طور پر مشاہدے کی بنیاد پر بنتے ہیں۔ الفاظ کا مجموعہ زبان (language) کہلاتی ہے اور 'زبان' انسانی اجتماعیت کی پہچان ہوتی ہے۔

مشاہدہ عام طور پر ظواہر اور appearance کے تذکرے کا نام ہے۔ دریا بہہ رہا ہے' بادل چھا گئے ہیں' بارش برس رہی ہے' سردی آ گئی ہے وغیرہ جملے سیکولر مزاج کے ہوتے ہیں اور انسانوں کی اکثریت اسی طرح کلام کرتی ہے' تاہم انسانوں میں ہی تجربہ کار' دانا اور انسان دوست رویوں کے حامل لوگ اس ظواہر پرستی اور سیکولر مزاج کو 'دل کی دنیا' کی راہ دکھاتے ہیں۔ 'محبت' کی چاشنی تو صرف زندہ ضمیر سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ نیکی' بدی' عدل' انصاف' ظلم اور ناانصافی جیسے الفاظ انسانی vocabulary کا حصّہ ہیں اور انسان کے وجود میں کسی چھپی حقیقت اور ضمیر کو ظاہر کرتے ہیں۔ فلسفہ کی اصطلاح میں اس کا نام خودی ہے اور مذہب (اسلام) کی اصطلاح میں اسے رُوح کہتے ہیں۔ تاریخ انسانی میں اس کائنات کے ایک 'خالق' کا تصوّر بھی تاریخ انسانی کا جزو لاینفک ہے' اور اگر انسان 'خودی' اور 'رُوح' تک کا سفر کر لے تو 'اللہ' کو ربّ اور خالق ماننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

موجودہ طبقاتی تقسیم

● سیکولر مزاج اور مذہبی مزاج (خداشناس' وحی شناس' نیکی اور بدی کی تمیز' آخرت' روح' ضمیر وغیرہ کی اصطلاحات مذہبی مزاج کا خاصہ ہے) بڑے واضح ہوتے ہیں۔ ایک تیسرا مزاج درمیان میں ہوتا ہے جو کچھ اِدھر کچھ اُدھر ہوتا ہے۔ اسی طبقے کے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو نہ اِدھر ہوتے ہیں نہ اُدھر ہوتے ہیں۔

آج کی دنیا میں بھی یہی تقسیم ہے اور یہ بات ایک ٹھوس زمینی حقیقت ہے کہ گزشتہ دوصدیوں سے دنیا میں سیکولر مزاج کے لوگوں ہی کا غلبہ ہے اور آج کی مغربی بالادست اقوام مسیحی اور یہودی شناخت رکھنے کے باوجود عملی

طور پر (for all practical purposes) سیکولر ہی نہیں سیکولرازم کی داعی بھی ہیں۔

تاریخ انسانی میں یونانیوں اور رُومیوں کے عہد میں بھی جب مذہبی گرفت ڈھیلی ہوئی اور ۶۰۰ ق م سے ۶۰۰ء تک قتل انبیاء کی وجہ سے پہلے آسمانی ہدایت کا مصنوعی خلا پیدا ہوا (یہ بات قرآن مجید میں متعدد بار آئی ہے) اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق چھ صدیاں فترۃ الوحی (وحی کا وقفہ) فرما کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھیجا اور پھر ختم نبوت فرما دی۔

ان بارہ صدیوں میں آسمانی ہدایت کے خلا کی وجہ سے ایسے معاشرے، بادشاہتیں اور تہذیبیں وجود میں آئیں جو انسان کے باطن میں شیطانی (erotic) یا سرکشی کی دبی خواہشات کو ظاہر کرتی تھیں۔ صدیوں پر پھیلی ان بادشاہتوں کے زیر اثر ان شیطانی خیالات نے فلسفوں اور نظام ہائے حیات کا روپ دھار لیا۔ پہلے کوئی شیطانی فلسفہ یا ابلیسی طرزِ حیات سر اُٹھاتا تھا تو جلد ہی کوئی پیغمبر تشریف لا کر اس erotic نظریہ کی اصلاح کر دیتا تھا اور انسان از سرِ نو خدا شناسی اور انسان دوستی کے رویّوں اور معیارات سے متعارف ہو جاتا تھا۔ اس عرصہ (۶۰۰ ق م سے ۶۰۰ عیسوی) میں پہلے قتلِ انبیاء کی وجہ سے ہدایت کا مصنوعی خلا رہا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایک 'فترۃ' دے کر آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔ آسمانی وحی کے آشکار ہونے کے بعد شیطانی (erotic) فلسفے اور نظام ہائے حیات معدوم ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو بھی فلسفہ ہائے حیات انسانوں کے مابین موجود ہیں اور جن پر مغربی انسان اور مغربی تہذیب فخر کر رہی ہے وہ سب اِنہی بارہ صدیوں کے درمیان پیدا ہوئے اور قتل انبیاء کے مجرم یہود (بنی اسرائیل) اس وقت بھی ان فلسفوں کے مؤیّد' دلدادہ اور سرپرست تھے اور آج بھی ان فلسفوں کے علمبردار اور پرچارک ہیں۔

اس حقیقت کو ایک دوسرے زاویہ سے دیکھیں تو انسان سکتہ میں آ جاتا ہے کہ تمام مشہور یونانی فلاسفہ (سقراط' بقراط' افلاطون اور ارسطو وغیرہ) ہندی فلاسفہ' ایرانی فلاسفہ اور چینی فلاسفہ انھیں بارہ صدیوں میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری اور مسلمانوں کے عروج تک کی چھ صدیوں میں روئے ارضی پر کوئی مشہور قابل ذکر فلسفی پیدا ہی نہیں ہوا۔ قرآن مجید کے اترنے کے بعد یا آخری آسمانی ہدایت کے آنے کے بعد کوئی فلسفہ زندہ نہیں رہ سکا (خود مسلمانوں میں کچھ فلاسفہ یونانی فلسفہ کے خوشہ چین پیدا ہوئے) اور ۱۲۵۸ء کے زوال کے زمانے سے مسلمان اپنے نظریۂ حیات اور قرآنی تعلیمات سے دور ہوئے تو دوبارہ ابلیسی نظام ہائے حیات' خدا بیزار فلاسفہ اور وحی دشمن نظریات نے جڑ پکڑنا شروع کر دی اور یورپی ترقی کے ساتھ ماحول کی سازگاری دیکھ کر اِن سیکولر اور لبرل سوچ کے حامل دانشوروں کا سیلاب آ گیا اور آسمانی ہدایت ایک زندہ حقیقت کے طور پر سامنے نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ بارہ صدیوں کے ان erotic اور خدا بیزار فلسفوں اور خیالات کو تشہیر و اشاعت کا خوب خوب موقع ملا جس کا جادو آج سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

- اہلِ زبان' شاعر' ادیب اور دانشور حضرات کسی زبان کے نمائندے بھی ہوتے ہیں اور معاشرے کے معمار

بھی۔اس طبقے کے عبقری (genius) حضرات اپنے ماحول اور معاشرے کو زوال کے بعد عروج اور کبھی عروج کے بعد زوال سے بھی دوچار کردیتے ہیں۔ دنیا میں دیر پا عروج ہمیشہ نظریاتی عُروج ہی رہا ہے۔ سیکولر اور لبرل معاشرے نظریاتی معاشروں کی نسبت جلد معدوم ہوجاتے رہے ہیں۔

● آج کے مغرب میں انیسویں صدی تک کئی نامور شخصیات ایسی گزری ہیں جو اللہ' وحی' ہدایت' نبی' رسول' ضمیر (conscience —— یہ بھی ایک سائنس ہے۔con-science میں con کا سابقہ انگریزی میں بالعموم کسی عمل کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لیے آتا ہے۔ جیسے tract کھینچنا اور con کے سابقہ کے بعد کئی فریقوں کا ایک نکتے پر اتفاق کر کے اس کے لیے مساعی لگادینا۔ converge سارے خیالات یا راستوں کا کسی نکتہ یا منزل پر مل جانا) کے الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں۔ مگر اس کے بعد یہ اصطلاحات آہستہ آہستہ معدوم ہوگئیں۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف کے بعد اب مغربی زبان اور لٹریچر میں یہ الفاظ غائب ہیں۔

● مشرق میں مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگ آباد ہیں جو اللہ' رسول' وحی' ضمیر اور اخلاق وغیرہ کا نام لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے ادیب' شاعر' خطیب' نثر نگار اور دانش ور کہیں نہ کہیں اس حقیقت کا بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ دنیا کی مظلومیّت' جبر' محرومی' ناانصافی' غربت' استحصال' اخلاقی زوال کے الفاظ آج کے مغرب کے ہاں کم اور مشرق بالخصوص مسلمانوں میں سب سے زیادہ ہیں۔

یہ بات سامنے رہے کہ حقیقتِ انسان کے بارے میں جدید مغربی فلسفے (یعنی ڈارون اور فرائڈ کے نظریات) نے فطرتِ انسانی کے نقوش کے صفحہ پر اخلاق' اعلیٰ انسانی اقدار' کردار' حقوقِ انسانی' ظلم' ناانصافی اور استحصال کے الفاظ واصطلاحات کو یکسر محو کردیا ہے اور بجا طور پر ان نظریات کے منطقی نتیجے میں آج کا انسان ایک ترقی پذیر یا ترقی یافتہ 'جانور' ہی باقی رہ گیا ہے۔ اور مغربی معاشرے انسانی اعلیٰ اقدار سے خالی ہوگئے ہیں اور وہاں اقتدار کے ایوانوں کو Animal Kingdoms ہی کہنا زیادہ مناسب ہے' جہاں جنگل کا قانون ہے۔ نہ لباس' نہ اخلاق' نہ ضمیر اور نہ اخلاقی قدریں ہیں۔ جہاں نہ تلاشِ حقیقت کا جذبہ ہے' نہ شعورِ خالق ہے' نہ معرفتِ رب ہے' نہ ہی شعورِ ذات کا کوئی احساس اور رمق ہے۔ جہاں انسان انسان ہی کا شکار کررہا ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کا مذاق' مذاق میں خون کردینا مقتدر انسان نما حیوان اشرافیہ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ جیسے یونانی اور رومی (legend) بادشاہ اقتدار کے نشے میں انسان غلاموں کو تفننِ طبع کے لیے جانوروں کے آگے ڈال کر خوش ہوتے تھے۔ اور قابل افسوس بات ہے کہ یہی رومی اور یونانی طرزِ حکومت اور نظریات آج کے ترقی یافتہ مغرب کی پہچان ہے اور ان کے لیے قابل فخر ومباہات کارنامہ۔ بقولِ علامہ اقبال ؎

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے!
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغِ کار زاری ہے!

مغرب میں اخلاقی زوال

● مغرب میں اس اخلاقی زوال کی اصل وجہ خالق کائنات (The Ultimate Reality) کا انکار ہے جب خدا، وحی، اخلاق اور ضمیر ہی کا وجود تسلیم نہ ہو تو انسانی محبت اور اعلیٰ ذوق کہاں سے آئیں گے۔ بقول اقبال ؎

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ڈارون تھیوری، فرائڈ کے نظریات اور 'معاشی حیوان' ہونے کا فلسفہ پڑھ کر جو شاعری تخلیق ہوگی، جو افسانے اور ناول لکھے جائیں گے وہ کس معیار کے ہوں گے۔ آج کی اقوامِ مغرب کا حالیہ لٹریچر اسی نظریاتی و اخلاقی قحط کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہی یہود آج سے چھ صدیاں پہلے جب سپین میں خوشحالی اور امن و آشتی کے ساتھ بنواُمیہ کے اقتدار کے سائے میں رہ رہے تھے تو ان کے 'ادب' میں خداشناسی اور انسانی اقدار و اخلاق کا تذکرہ بھی موجود تھا۔ ذیل کے چند اشعار اس دور کے ایک یہودی شاعر کے ہیں جس سے معرفتِ خداوندی اور آسمانی وحی کے اثرات جھلک رہے ہیں۔

FROM THEE TO THEE

When all within is dark,
And former friends misprise;
From them I turn to thee,
And find Love in thine eyes.
When all within is dark,
And I my soul despise;
From me I turn to thee,
And find Love in thine eyes.
When all the face is dark,
And Thy just angers rise;
From thee I turn to thee
And find Love in thine eyes.

Translated by Israel Abrahams
From Israel Abrahams, Festival Studies
(London: Macmillan, 1906; rpt. Ed. Also available).

جبکہ آج کے یہود و نصاریٰ کے لٹریچر سے حالیہ عشروں میں (جب ان کی خوشحالی آسمانوں کو چھو رہی ہے) کسی اعلیٰ خیال اور ذوقِ لطیف کی مثال تلاش کرنا کارِ عبث کے مترادف ہوگا۔

عقلیت پسندی کے نتائج

● عقل انسانی میں جو خیالات پرورش پاتے ہیں اور پختہ ہو کر نظریات بنتے ہیں' کسی ایک علاقے کو نہیں بعض اوقات پورے پورے براعظموں کو محیط ہو جاتے ہیں اور صدیوں چھائے رہتے ہیں۔ اس مکانی و زمانی غلبے ہی کی بنا پر ان نظریات کو فطرتِ انسانی کی پہچان سمجھ لیا جاتا ہے۔ ان نظریات کو پیش کرنے والے اپنے معتقدین کی نگاہ میں خواہی نخواہی مافوق الفطرت انسان ہونے کا روپ دھار لیتے ہیں اور ان کی سوچ کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔

اس کی مثال تاریخ انسانی میں فلسفیانہ نظریات اور فلسفیانہ مذاہب کی ہے۔ صدیوں انہی فلسفیانہ نظریات کے تحت حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں اور تہذیبیں وجود میں آتی ہیں اور اپنی باری گزار کر ماضی کا حصہ بن جاتی ہیں۔ انسانوں کی روئے ارضی پر اسی تاریخ میں ایک دوسری اور 'وَکھری' ٹائپ کے انسان گزرے ہیں۔ ان انسانوں نے اپنے ہم عصروں پر اپنے بنیادی انسانی اوصاف پر استوار صاف شفّاف کردار کی بنیاد پر برتری حاصل کی اور اپنے خوبصورت انسانی کردار اور انسان دوست رویّوں کی بنیاد پر نمایاں ہوئے۔ ان کے نظریات کی بنیاد پر معاشروں میں تبدیلی آئی' حکومتیں بنیں' تہذیبیں وجود میں آئیں۔ یہ تہذیبیں اپنے بھلے اصولوں اور انسان دوست' اخلاق دوست' علم دوست اور ماحول دوست رویّوں کی وجہ سے قائم رہیں' اور انسانی کم نظری اور کوتاہ بینی کی بنیاد پر جب انہی کی اگلی نسلیں ان اعلیٰ انسانی اقدار اور شفّاف کردار کا مصداق نہ رہیں تو یہ تہذیبیں بھی قصۂ ماضی بن گئیں۔ انسانی زندگی کے برعکس تہذیبوں کی عمر پانچ چھ صدیاں ہوتی ہے۔

● عقل انسانی کی بنیاد پر بننے والے فلسفہ ہائے حیات و نظریات تاریخ میں اسی طرح پہچانے جاتے ہیں۔ یونانی' ایرانی اور ہند و چین کے فلاسفہ کے نظریات اسی زُمرے میں آتے ہیں۔ جبکہ ذاتی کردار اور اعلیٰ انسانی اخلاق کی بنا پر انسان دوست' علم دوست اور ماحول دوست رویوں کی بنیاد پر اُٹھنے والی تحریکیں' احیائے علوم کی کوششیں' حکومتیں اور تہذیبیں اپنے بانیوں کے اس دعویٰ کے ساتھ کھڑی ہوئیں کہ وہ خالق کائنات 'اللہ' کے نمائندے ہیں اور ان کی ساری تعلیمات الہامی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور رسول (messengers) ہیں۔ ان کی تعلیمات انسان کے اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق کی ضامن تھیں اور ایسے رسول (علیہم السلام) خود بھی اعلیٰ انسانی اخلاق کا نمونہ تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں اچھے رویوں اور علم و اخلاق دوست رویّوں کی خود بھی مثالیں پیش کیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی۔

تہذیبِ مغرب کی بنیادیں

پہلی قسم کے فلاسفہ میں ارسطو‘ افلاطون اور دیگر یونانی فلاسفہ ہیں‘ ایران کا مانی ہے‘ ہند کا شنکر اچاریہ ہے اور چین کا رہنما کنفیوشس ہے۔ ان کے نظریات بڑے دلکش اور متاثر کن ہیں‘ مگر ان کی اکثریت کا کردار کسی عامی انسان کی سطح سے بھی گرا ہوا تھا اور یہ اپنے ہی پیش کردہ علم اخلاق اور اصولِ اخلاق سے ہم آہنگ نہ تھا۔

● آج کی مغربی تہذیب منافقت کی تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے ناخداؤں میں یہود و نصاریٰ ہیں جنھیں مبیّنہ طور پر خداشناس‘ وحی دوست اور انبیاء و رُسل (ﷺ) کی تعلیمات کا علمبردار ہونا چاہیے۔ مگر بدقسمتی سے یہودیت اور عیسائیت کے نام لیوا ہونے کے باوصف یونانی نظریات اور رُومی طرزِ حکومت کے داعی‘ مُبلّغ اور پرچارک ہیں۔ گویا انھوں نے یونانی فلاسفہ کی اَخلاق دشمن اور خدابیزار تعلیمات کو گلے لگالیا ہے اور دل کی تسلّی اور دنیا کو دھوکا دینے کے لیے حضرات انبیاءِ کرام‘ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ ﷺ کے بھی پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں۔

● آج کی مغربی تہذیب کی اُٹھان‘ پھیلاؤ اور استحکام میں بھی اہل قلم حضرات یعنی اُدباء‘ شعراء‘ ناول نویس اور افسانہ نویس حضرات کا بڑا دخل ہے۔ چونکہ آسمانی ہدایت سے رشتہ اٹھارھویں صدی سے علی الاعلان توڑ لیا گیا تھا‘ لہٰذا اب آگے منزل کی طرف پیش رفت کے لیے نئے خیالات (ideas) اُمنگیں‘ حوصلے اور اہداف کا تعین ان اہل قلم نے ہی کیا ہے اور مغربی تہذیب کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔ مغربی تہذیب ہر لحاظ سے سائنسی ترقی کے سہارے کھڑی ہے اور سائنسی ترقی ہی ساری ایجادات کی بنیاد ہے‘ مگر یہ ساری ایجادات اور انسانی سہولتیں دراصل اپنے وقت کے ادیبوں‘ ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں کے زورِ قلم کی مرہونِ منّت ہیں۔

مثال کے طور پر امریکہ میں موجودہ حکومت ’نیو ورلڈ آرڈر‘ کے ماٹو (motto) کے ساتھ ۱۷۷۶ء میں قائم ہوئی۔ چند ہی عشروں بعد امریکہ میں بھی اور بحراوقیانوس کے پار یورپ‘ افریقہ اور ایشیا میں بھی رابطوں کے لیے ضرورت محسوس کی گئی تو ادیبوں اور افسانہ نویسوں نے تخیّلاتی کہانیاں تخلیق کیں کہ کس طرح ہزاروں میل دور آوازیں سنی جاسکتی ہیں اور وائرلیس کا نظام ہوسکتا ہے۔ افسانہ نویسوں نے افسانوں میں تصوّراتی اور فرضی آلات کے ذریعے روشنی‘ فون‘ تار‘ پیغامات کی ترسیل کے تصوّرات پیش کیے‘ جس سے متاثر ہو کر ذہین افراد نے محنت کی اور تخیلاتی اور تصوّراتی بات کو حقیقت کا روپ دے دیا۔ تارِ برقی (telegraph) اور بعدازاں telex کا انتظام اسی طرح ایجاد ہوا اور دو صدیوں تک دنیا میں چھایا رہا۔ انگریز برطانیہ میں بیٹھ کر پوری دنیا میں حکومت کرتے رہے‘ اس میں تارِ برقی کا بنیادی عمل دخل تھا۔ اسی طرح اُڑ کر کہیں دور دراز پہنچ جانا‘ انسان کی اُمنگوں اور خواہشوں کا ماضی قدیم سے ہدف رہا ہے‘ جس کے لیے صدیوں سے کوششیں ہوتی رہیں‘ جو بالآخر بیسویں صدی میں آکر کامیاب ہوگئیں۔ اس ایجاد کے لیے موجد حضرات کو ’آئیڈیا‘ دینے والی تحریریں ادیبوں اور افسانہ نویسوں ہی کی تھیں۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ آج سے پانچ چھ صدیاں قبل افسانہ نگاری (fiction) ادب کا حصہ نہ تھی۔ یہ صنفِ ادب مغرب میں سائنسی ترقی کی رہنمائی کے لیے فرضی خاکوں‘ تخیلاتی اُمنگوں اور جنوں پریوں کی کہانیوں کی طرز پر لکھے گئے افسانوں سے ہی

'ضرورت ایجاد کی ماں ہے' کے طور پر وجود میں آئی۔

● اسی طرح آج کا زمانہ مغربی تہذیب کے زوال کا زمانہ ہے اور' ان شاء اللہ' زوالِ مغرب کے بعد مشرق سے ایک طاقت کو عروج ہونے والا ہے۔ اگر یہ بات خود ہماری سوچ' آرزو اور خواہش ہو تب بھی یہ کوئی گناہ کا کام نہیں۔ ہمارے پاس دنیا کا سب سے سچا نظریہ اور تعلیماتِ مصطفیٰ ﷺ ہیں' نظامِ مصطفیٰ ﷺ جو نظام خلافت کہلاتا ہے' جس میں عدل و انصاف' حقوقِ انسانی' مساواتِ انسانی اور کفالتِ عامہ جیسے تصورات موجود ہیں' اور ان انسان دوست اور اخلاق دوست خیالات کو عام کرنا اور خدا شناسی کے جذبے کو پروان چڑھا کر غالب کرنے کا خواب دیکھنا دنیا کی دوسری تمام اقوام کی طرح ہم مسلمانوں کا بھی (اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کو عام کرنے کا) حق ہے۔ مگر اس ضمن میں خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ ہماری رہنمائی کے لیے اور ہمارے حوصلوں' اُمنگوں' جذبوں کو جلا بخشنے کے لیے آپ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ قربِ قیامت میں اسلام کا عادلانہ اور منصفانہ نظامِ عدل و اُخوت و مساوات دنیا میں دوبارہ غلبہ حاصل کرے گا اور اب یہ غلبہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کی طرح عالمی اور گلوبل ہوگا۔

● اب اگر آپ اہلِ قلم ہیں تو اس تحریر کا مخاطب آپ ہی ہیں' کہ اس میں حضرت محمد ﷺ کے اُمتی کی حیثیت سے آنے والے باسعادت دور کی برکات یعنی عدل و انصاف کی فراہمی' مساوات' آسودگی' عفت' عصمت' حیا' انسانی اقدار اور خدا شناسی کے جذبوں کو عام کرنے کے لیے جو ہماری ذِمہ داری ہے وہ ہمیں یاد دلائی گئی ہے۔

آیئے ہم سب اپنے اپنے شعبہ میں آنے والے انسان دوست اور خدا شناس بابرکت دور کے عالم اسباب میں جلد واقع ہونے کے لیے راہ ہموار کریں اور اس 'امکان' کو حقیقت اور وقوعہ میں بدل دیں —— ان شاء اللہ! ہمارا یہ عمل ہمارے لیے توشۂ آخرت بنے گا اور شفاعتِ رسول ﷺ کا ذریعہ بھی۔ اے اللہ! تو ہمیں اس عظیم کام کے لیے قبول فرما۔ آمین!

تاریخ انسانی حکومتوں' تہذیبوں اور ہمہ مقتدر خدائی کے دعویدار حکمرانوں کے عروج و زوال کے واقعات سے عبارت ہے۔ جیسے انفرادی سطح پر دنیا میں قبریں اور قبرستان ہیں اسی طرح روئے ارضی تہذیبوں کا قبرستان ہے۔

انسانی زندگی ۶۰۔۷۰ برس کی ہوتی ہے' جبکہ تہذیبوں کی عمر چھ سات صدیاں ہوتی ہے۔ اس اصول سے خود مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بقولِ علامہ اقبال دنیا میں تہذیبوں کا زوال دراصل نظریاتی زوال ہوتا ہے' جس کے مقابلے میں اسلحہ کے ڈھیر اور فوجیں کسی کام نہیں آسکتے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں' تقدیرِ اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اوّل' طاؤس و رباب آخر!

مسلمانوں میں بھی ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں اسی طرح کے نظریاتی زوال کے بعد بنوعباس کی حکومت ہلاکو کے ذریعے ختم ہوگئی تھی۔ آج کی مغربی تہذیب بھی اپنے دورِ عروج سے گزر کر زوال پذیر ہے اور چھ صدیاں مکمل کر چکی ہے۔ اس عرصہ میں سائنسی ترقی اپنی جگہ مگر نظریاتی افلاس' اخلاقی گراوٹ' انسانی اقدار کا خاتمہ ایسے حقائق ہیں کہ اس

کے بعد گراوٹ کا کوئی اگلا درجہ باقی نہیں رہا۔ لہٰذا تہذیبِ مغرب کا اب جنازہ اٹھا ہی چاہتا ہے۔ علامہ اقبال نے ایک صدی قبل اس فرنگی تہذیب کے بارے میں فرمایا تھا: ؎

یہ علم ' یہ حکمت ' یہ تدبّر ' یہ حکومت
پیتے ہیں لہو ' دیتے ہیں تعلیم مساوات!
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات!
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات!

مزید فرمایا تھا کہ ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا' ناپائدار ہوگا!

آج کی مغربی تہذیب کے پس پردہ صہیونیت کی نادیدہ قوت اور مافیا ہے جس نے برطانوی فرنگی زوال کے بعد امریکہ کو آگے کر دیا' UNO قائم کی' NWO کے الفاظ میں نیو ورلڈ آرڈر متعارف کرایا۔ تاہم اب یہ تہذیب تمام تر کوششوں اور تدابیر کے باوصف حالتِ نزع کے عالم میں ہے اور برطانیہ اور روس کے بعد امریکی عالمی سپر پاور کا یقینی زوال اب نوشتۂ دیوار بن چکا ہے۔

عجیب حسنِ اتفاق

اسے حسنِ اتفاق سے تعبیر کیجیے یا نیرنگیٔ افلاک کا نام دیجیے' مگر ہے یہ ایک حقیقت کہ گزشتہ ایک صدی کے دوران ماضی قریب کی تینوں عالمی طاقتوں کے زوال کا باعث جنوبی ایشیا کے مسلمان ہیں' جن کی بیداری سے اوّلاً برطانیہ (۱۹۴۷ء میں)' پھر سوویت یونین (۱۹۹۰ء) میں اور اب امریکہ (۲۰۱۴ء میں) جنوبی ایشیا سے 'انگور کھٹے ہیں' کہہ کر واپس ہو چکا ہے۔ کبھی ۲۳ صدیاں قبل یہاں سکندر اعظم یونانی بھی آیا تھا مگر وہ بھی مُنہ کی کھا کر واپس ہوا اور عراق میں جا کر لقمہ اجل بن گیا اور نشانِ عبرت بھی کہ دوبارہ کسی یونانی و رومی فاتح کو ادھر کا رُخ کرنے کی ہمّت نہیں ہوئی۔

انسانیت کا مستقبل بعد از امریکہ

یہ سوال امریکی نمک خواروں اور امریکی حمایت سے سیاست' تجارت' میڈیا' فلم انڈسٹری' سپورٹس انڈسٹری' سیر و تفریح (entertainment) کے میدانوں میں ابلیسی کردار ادا کرنے والوں کے لیے ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں کہ امریکہ کو بھی زوال سے دوچار ہونا ہے —— اور اب یہ زوال بہت قریب ہے۔

- عالمی صہیونی مغربی طاقت امریکہ کے زوال میں ایک عشرہ لگے یا پانچ' قطع نظر اس کے 'مستقبل کی سپر طاقت 'اسلام'

ہے۔ انسانیت کے لیے خداشناس‘ وحی شناس‘ علم دوست‘ اخلاق دوست اور ماحول دوست تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے سوا کوئی اور ممکن نہیں۔ انسانیت اسی ’آئیڈیل‘ کی تلاش میں گزشتہ دو صدیوں سے سرگرداں ہے۔ بقول اقبال ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
زاں کہ از خاکش بروید آرزُو
یا ز نورِ مصطفیؐ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیؐ است

- دوسری طرف نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں اسلام کے صدرِ اوّل کے دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں میں بادشاہت آجائے گی اور پھر مسلمان غلامی (غیر مسلم بادشاہ اور حکمران) کا شکار ہوجائیں گے۔ اس دورِ غلامی کے خاتمہ پر دنیا میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق حکومت یعنی نظامِ خلافت دوبارہ قائم ہوگی اور اب یہ حکومت پھیل کر عالمی (Global) ہوجائے گی۔
- تیسری طرف پاکستان بیسویں صدی کے نصف میں‘ مغربی تہذیب کے دورِ عروج کے نصف النہار پر ایک نظریاتی ملک بنا۔ اس کا آئین خدا کی حاکمیّت کا اقرار کرتا ہے‘ قراردادِ مقاصد اس آئین کا رُخ معیّن کرتی ہے۔ قانون سازی کے لیے طے ہے کہ کوئی قانون سازی کسی سطح پر قرآن وسُنّت کے خلاف نہیں ہوسکتی۔

ابھی تک امریکی دباؤ میں ہمارے حکمران ملک پاکستان کو جیسے بھی چلاتے رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہے‘ مگر امریکی زوال کے بعد‘ جبکہ پاکستان کے اندرونی معاملات اور حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں اس کی مداخلت ختم ہوجائے گی‘ پاکستان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ اپنے مقصدِ قیام‘ دوقومی نظریہ اور آئینی تقاضوں کی طرف رجوع کرے۔

یہ سعادت بھی‘ ان شاء اللہ‘ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں ہی کے نصیب میں لکھی جاچکی ہے کہ یہیں سے علامہ اقبال کی فکر یا دوقومی نظریہ کے مطابق ایک مثالی جمہوری فلاحی اسلامی حکومت وجود میں آئے گی جو پھیل کر پورے کرۂ ارض کو اپنی لپیٹ میں سمیٹ لے گی۔

پس چہ باید کرد......؟

ہر کمالے را زوال —— یعنی ہر کمال کو زوال سے دوچار ہونا ہے۔ یہ فطرت کا ایک اٹل اور آزمودہ قانون ہے اور تاریخ انسانی کا ایک حاصل بھی ہے۔ اس صُغریٰ کُبریٰ کے پیش نظر راقم کی اپنے تمام قارئین اور تمام اہلِ قلم واہلِ علم سے درخواست ہے کہ آنے والے اس دور کی جو دھندلی سی تصویر آپ کے سامنے رکھی ہے‘ اس تصویر کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیے ہر شخص اپنے حصے کا کام کرنے پر کمربستہ ہوجائے۔

اس دور کا ایک نقشہ اور جھلک انسانیت پہلے بھی خلافتِ راشدہ کی شکل میں دیکھ چکی ہے اور آج بھی روئے ارضی کی تمام سعید رُوحیں اسی مثالی انسانی فلاحی دور کی منتظر ہیں۔ اسی کا اشارہ قرآن مجید میں ہے اور اسی کا خواب دیکھا تھا حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے‘ جس کے نتیجے میں پاکستان عالمی نقشہ پر ابھر کر آگیا تھا۔

- بجاطور پر اہل قلم (شعراء، صحافی، ادیب، افسانہ نگار، ناول نگار، مصنّفین وغیرہم) ہی انسانی سطح کے کسی انقلاب کے لیے ہراول دستہ ہوتے ہیں۔ آنے والے انقلاب ــــ عالمی اسلامی جمہوری فلاحی انقلاب کے لیے زمین ہموار کرنا ــــ ایسے ناول، ڈرامے اور افسانے تحریر کرنا جو اسلام کی تعلیمات، اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن، اسلامی اخلاق، خدا شناسی اور آسمانی علم شناسی کا ماحول پیدا کر دیں ــــ عصرِ حاضر کے گزرتے ایام میں حضرت محمد ﷺ سے ’وفاداری‘ کا تقاضا ہے کہ انقلاب کے لیے مسلمان اہلِ قلم ہراول دستے کا کام کریں اور فلاحِ انسانیت کے مشن کی تکمیل کے لیے دُکھی انسانیت، مظلوم عوام اور عالمی کارپوریٹ کلچر کی ستائے ہوئے انسانوں کے دُکھوں کا مداوا کریں اور ان کو اس روحانی کرب سے نجات دلائیں۔ پاکستان میں جس کی مثال نسیم حجازی کے ناول اور مشہور اہلِ قلم اشتیاق حسین کا ’بچوں کا ادب‘ ہے۔

دنیا کے کسی خطے کا رہنے والا ہو، ہر معقول انسان (مرد ہو یا عورت) یہی چاہتا ہے کہ فلاحِ عامہ کے تمام امور یعنی عدل و انصاف ہو، امن ہو، سکون ہو، عفت و عصمت کی حفاظت ہو، معاشی عدل ہو، کفالت کا نظام ہو، جہاں بیواؤں، یتیموں، معذوروں، ضرورت مندوں کی عزتِ نفس کو ٹھیس لگائے بغیر ان کی سرپرستی ہو، جہاں روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ ہر شہری (بلا لحاظ رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور مذہب) کا حق ہو، یعنی نوعِ انسانی کے ہر فرد کے بنیادی حقوق کا کامل تحفظ ہو۔

- دنیا میں عدل و انصاف پر مبنی ایک عالمی حکومت کا قیام (جو آسمانی ہدایت اور خدا شناسی کے تصورات پر مبنی ہو) ایک شُدنی امر اور نوشتۂ دیوار ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ آنے والے اس سہانے دور کے پیغام کو عام کر کے انسانیت کے لیے بارانِ رحمت سے پہلے اُس ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بن جائیں جس کی نوید علامہ اقبال نے ایک صدی قبل برطانوی ہند میں دی تھی: ؎

میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے!

اور ــــ یہ ہماری خوش قسمتی ہے اور جنوبی ایشیا کے مسلمان اس پر جتنا فخر کریں کم ہے کہ یہ مفہوم ایک حدیث پاک میں وارد ہے جو ہمارے لیے راحت جاں اور آرامِ جان کی نوید ہے۔

اس عاجز کی آرزو ہے کہ اپنے آقا حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا یہ پیغام ــــ جہاں تک پہنچے، سب مسلمان اہل قلم اس کے مخاطب بنیں۔ انگریزی میں یوں کہہ لیجیے:

"TO WHOM IT MAY CONCERN"

جس اہلِ قلم کو حضرت محمد ﷺ سے تعلق خاطر یاد ہو وہ ضرور اس پیغام کو اپنے لیے فی الواقع ایک ’پیغام‘ سمجھے اور اس کو عملی شکل دینے میں لگ جائے۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے!

❀❀❀

زوجین میں علیحدگی اور اصول واحکامِ شریعت

(بسلسلہ اسلام میں عورت کا مقام (اور میاں بیوی کے باہمی معاملات)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان ☆

شرعِ اسلامی کی رو سے زوجین میں تفریق تین طریقوں سے ہوسکتی ہے:

(ا) طلاق

یہ اختیار صرف خاوند کو دیا گیا ہے' لیکن اس کے بلاجواز استعمال پر کچھ پابندیاں بھی ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ)) (۱)

یعنی جن چیزوں کی —— شدید ضرورت کے موقعوں پر —— اجازت دی گئی ہے' ان میں طلاق سب سے ناپسندیدہ شے ہے۔

فقہاء کی تصریح کے مطابق بے وجہ طلاق کا استعمال بالکل ناپسندیدہ ہے۔ المیزان للشعرانی' جلد دوم میں امام عبدالوہاب شعرانی کا قول ہے:

اتفقوا علی ان الطلاق مکروہ فی حالۃ استقامۃ الزوجین' بل قال ابو حنیفۃ بتحریمہ

''تمام علمائے شریعت اس بات پر متفق ہیں کہ بغیر معقول وجہ کے طلاق دینا نہایت ناپسندیدہ ہے' بلکہ امام ابوحنیفہ اسے حرام ہی فرماتے ہیں۔''

فتح القدیر' جلد دوم میں ابن ہمام فرماتے ہیں:

لا یخفٰی ان کلامھم فیما سیاتی من التعالیل یصرح بانہ محظور لما فیہ من کفران نعمۃ النکاح

''فقہاء کے کلام سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ (بلاوجہ) طلاق دینا ممنوع ہے' اس لیے کہ اس میں نعمت نکاح کی ناقدری اور (خدا کے اس عظیم احسان کی) ناشکری پائی جاتی ہے۔''

تقریباً یہی بات درمختار میں ہے:

الاصح حظرہ (ای الطلاق بلاضرورۃ)

''زیادہ صحیح یہی ہے کہ بلاضرورت طلاق دینا منع ہے۔''

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات ومطالعہ پاکستان' گورنمنٹ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

دُرِّ مختار کے مشہور شارح علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی (بحوالہ دُرِّ مختار مع ردّ المُحتار) اسی کو ترجیح دی ہے۔ عصرِ حاضر کے ایک جید عالم عبدالرحمٰن صابونی نے اپنی کتاب 'مدی حریة الزوجین فی الطلاق' (ص۹۹' ج۱) میں تفصیل کے ساتھ تمام فقہاء کی آراء جمع کر کے انہیں محاکمہ کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکالا ہے کہ ان الاصل فی الطلاق الحظر (بے شک طلاق میں اصل چیز ممانعت ہے)۔

اس ضمن میں حالتِ حیض میں بھی طلاق دینے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے جب آنحضرت ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ ﷺ برہم ہوئے اور حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دو: فَتَغَيَّظَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا (۲)

اسی طرح حالتِ طہر میں بھی' جس طہر میں صحبت ہو چکی ہو' اس میں طلاق دینے سے روکا گیا ہے' کیونکہ اس وجہ سے عورت کی عدت طویل ہو جائے گی اور اسے تکلیف ہو گی۔ اس حوالے سے قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ (الطلاق:۱) یعنی طلاق دینا ہو تو ایسے وقت میں دو جس میں بلاوجہ عورت کی عدت طویل نہ ہو۔ مزید برآں اگر صاف اور صریح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دی گئی ہے تو رجوع کا اختیار حاصل ہے' لیکن اگر بیک وقت یا علیحدہ علیحدہ تین طلاقیں دی گئی ہیں تو پھر براہِ راست رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ (۳)

اسی ضمن میں طلاق مسنون (سنت) اور طلاق بدعت کی بھی تفریق کی جاتی ہے۔ جس بیوی سے صحبت ہو چکی ہو' اسے حالتِ طہر (پاکی) میں اس طرح ایک طلاق دینا کہ اس طہر میں میاں بیوی کا باہمی ملاپ نہ ہوا ہو' یہ طلاق سنت ہے۔ جبکہ حالتِ حیض میں یا اس طہر میں بیوی کو طلاق دینا کہ جس میں زوجین کی صحبت ہو چکی ہو' یہ طلاق بدعت ہے۔ (۴) بعض فقہاء ایک ہی مجلس میں طلاقِ ثلاثہ کو بھی طلاقِ بدعت میں شمار کرتے ہیں۔

طلاق کی تین مشہور اقسام ہیں:

(i) طلاق رجعی: اس سے مراد یہ ہے کہ صاف اور صریح لفظوں میں ایک یا دو مرتبہ طلاق دی جائے۔ ایسی طلاق میں عدت پوری ہونے تک نکاح باقی رہتا ہے اور شوہر کو اختیار ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے بیوی سے رجوع کر لے۔ اگر اس نے عدت کے دوران (قولی یا فعلی) رجوع کر لیا تو پہلا نکاح بحال رہے گا اور اگر اس نے عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو طلاق مؤثر ہو کر نکاح ختم ہو جائے گا' البتہ اگر فریقین چاہیں تو اب دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن تین میں سے جتنی مرتبہ شوہر طلاق استعمال کر چکا' وہ ختم ہو گئیں' اب اسے باقی ماندہ کا اختیار ہو گا۔ مثلاً اگر اس نے ایک طلاق دے کر رجوع کر لیا تھا تو دو طلاقیں باقی رہ گئیں۔ اور دو طلاق دے کر اگر اس نے رجوع کیا تھا تو اب شوہر کے پاس ایک اور طلاق دینے کا اختیار رہ گیا۔ اب اس نے ایک مزید طلاق دی تو بیوی تین طلاق ہونے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔

ہدایہ اولین میں طلاق کا احسن طریقہ یوں بیان کیا گیا ہے:

فالاحسن ان یطلق الرجل امرأته تطلیقة واحدة فی طھر لم یجامعھا فیه معھا ویترکھا حق تنقضی عدتھا لان الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم کانوا یستحبون ان لا یزیدوا فی الطلاق علی واحدة حتی تنقضی العدة

’’طلاق کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دی جائے‘ وہ بھی اس وقت جبکہ عورت حالت طہر میں ہو اور اس سے ایام مخصوصہ گزرنے کے بعد ابھی تک صحبت نہ کی ہو‘ پھر ایک طلاق دے کر یوں ہی چھوڑ دیا جائے‘ یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے اور صحابہ ﷡ اسی طریقہ کو پسند کرتے تھے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دیں اور عدت پوری ہونے دیں۔‘‘

(ii) طلاق بائن: اس سے مراد ہے کہ شوہر کی طرف سے واضح لفظ ’طلاق‘ کی بجائے گول مول اور کنایہ کے الفاظ میں طلاق دی جائے‘ یا لفظ طلاق کے ساتھ کسی ایسی صفت کا ذکر کیا جائے جس سے اس کی سختی کا اظہار مقصود ہو‘ مثلاً یوں کہنا کہ تجھ کو سخت طلاق‘ تم میرے اوپر حرام ہو‘ یا طلاق کی نیت سے کہنا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں‘ یا تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ وغیرہ۔ طلاق بائن (بائنہ) کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے نکاح فوراً ختم ہو جاتا ہے اور رجوع کا حق نہیں رہتا‘ البتہ عدت کے اندر اور ختم ہونے پر بھی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

(iii) طلاق مغلظہ: اس سے مراد ہے کہ کوئی شخص الگ الگ یا بیک وقت تین مرتبہ طلاق دے دے۔ اس صورت میں بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور بغیر شرعی حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪﴾ (البقرۃ:۲۲۹) ’’طلاق دو مرتبہ ہے‘‘۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر ہے: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۳۰) ’’پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے تو وہ عورت اب اس (خاوند) کے لیے حلال نہ ہو گی جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔‘‘

اس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے ’باب من اجاز طلاق الثلاث‘ میں حضرت عائشہ ﷝ کی روایت سے رفاعہ قرظی کی بیوی کا واقعہ نقل کیا ہے۔ رفاعہ نے انہیں تین طلاقیں دے دی تھیں‘ انہوں نے عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا‘ پھر حضور پاک ﷺ سے شکایت کی کہ وہ (عبدالرحمٰن) عورت سے صحبت پر قادر نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تم رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟ [انہوں نے کہا کہ ہاں‘ آپؐ نے فرمایا] یہ نہیں ہو گا‘ یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے صحبت (دخول) نہ ہو۔‘‘

گویا دوسرے نکاح کے بعد اگر شوہر انتقال کر جائے یا اپنی مرضی سے عورت کو طلاق دے دے‘ تو عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن تین طلاق کے بعد عورت کا کسی دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ صحبت صحیحہ کے بعد طلاق دے دے گا‘ تو یہ شرط باطل ہے۔ حدیث نبویؐ میں ایسا حلالہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے (لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ)(۵)

تاہم اگر یہ لعنت زدہ شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے‘ تو پہلے شوہر سے نکاح کے لیے عورت حلال ہو جائے گی۔ اگر وہ صحبت صحیحہ کے بغیر طلاق دے گا تو عورت کا پہلے شوہر سے نکاح نہیں ہو سکے گا۔ اب اگر عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ شرط نہیں رکھی گئی کہ وہ صحبت کے بعد اسے طلاق دے دے گا‘ لیکن اس شخص کا اپنا یہ خیال ہو کہ وہ اس عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا تا کہ وہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکے‘ تو یہ صورت موجبِ لعنت نہیں ہے۔ (۶)

یہاں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا بدعت اور سخت گناہ کا کام سمجھا گیا ہے‘ اس پر اکثر ائمہ کا اتفاق ہے۔ امام نوویؒ اپنی شرح مسلم‘ جلد اول میں فرماتے ہیں: **قال مالك والاوزاعي وابو حنيفة هو بدعة۔** اس کے باوجود ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک یہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں‘ مگر بیک وقت تین طلاقیں دینے والا سخت گنہگار رہتا ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری‘ جلد ۹ میں تحریر ہے کہ:

ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوري وابو حنيفة واصحابه ومالك واصحابه والشافعي واصحابه واحمد واصحابه واسحاق وابو ثور وابو عبيد وآخرون كثيرون على ان من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولكنه ياثم

’’تابعین اور ان کے بعد آنے والے تقریباً تمام علماء کا یہی مسلک ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو (بیک وقت) تین طلاقیں دے دیں‘ وہ واقع ہو گئیں‘ لیکن وہ گناہگار رہا۔ ان علماء میں اوزاعی‘ نخعی‘ ثوری‘ ابوحنیفہ اور ان کے تمام شاگرد‘ مالک اور ان کے تمام شاگرد‘ شافعی اور ان کے تمام شاگرد‘ احمد اور ان کے تمام شاگرد‘ اسحاق‘ ابوثور‘ ابوعبیدہ اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے علماء (رحمہم اللہ) شامل ہیں۔‘‘

ظاہر یہ کے مشہور عالم ابن حزم بھی بیک وقت تین طلاق کے مؤثر ہونے کے قائل ہیں۔

یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ غلط طریقے سے طلاق دینے اور اس کے بے جا استعمال کی کثرت اور نتیجتاً معاشرے کے بگاڑ کی صورت میں اہل فقہ کے مشورے سے اسے ایک قابلِ تعزیر جرم بھی قرار دیا جا سکتا ہے‘ بلکہ دیا جانا چاہیے‘ یوں طلاق کے غلط طریقوں اور اس کے بے ضرورت دیے جانے پر سزا بھی ہو سکے گی۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ اصلاً معصیت ہے اور ہر معصیت پر شرعاً سزا دی جا سکتی ہے (بشرطیکہ اس گناہ پر حد یا کفارہ واجب نہ ہو)۔

امام شعرانی ’المیزان‘ ج ۲ میں نقل فرماتے ہیں:

اتفق الائمة على ان التعزير مشروع في كل معصية لا حد فيما ولا كفارة

’’ہر وہ گناہ جس پر حد اور کفارہ نہ ہو‘ اس پر تعزیر (سزا) کے لازم ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔‘‘

یہ قاضی (منصف) اور عدالت کی صوابدید پر‘ پیش آمدہ حالات کے تحت چھوڑا جا سکتا ہے کہ وہ کس قسم کی سزا‘ مثلاً زبانی زجر و توبیخ‘ قید و بند یا کوڑے لگانا وغیرہ‘ مناسب سمجھتی ہے‘ یا پھر مقننہ کے تحت مختلف حالات کے حوالے سے سزا کے لیے مناسب قانون سازی کی جا سکتی ہے (موجودہ حالات میں یہ صائب رہے گا)۔ (۷)

عدت کا بیان

(۱) ایسی عورت جسے نکاح کے بعد صحبت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو جائے اس کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ﴾ (الاحزاب:۴۹)

''اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو' پھر ان کو ہاتھ لگانے (صحبت) سے قبل طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورا ہونے کو تم شمار کر سکو۔''

(۲) جس عورت کو حیض آ رہا ہو' طلاق ہونے کی صورت میں اس کی عدت کی مدت (احناف کے مطابق) تین حیض (قروء) ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۸)

''اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو' وہ تین مرتبہ ایام ماہواری (حیض) آنے تک اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں۔''

(۳) وہ عورت جسے ابھی حیض شروع نہیں ہوا' یا پھر جسے حیض آنا بند ہو چکا ہو' ایسی عورت (آیسہ) کی عدت تین (قمری) ماہ ہے۔ حکم خداوندی ہے:

﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ﴾ (الطلاق:۴)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو (زیادہ عمر کی بنا پر) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں' ان کے معاملے میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک کم عمری کی بنا پر) حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی اتنی ہی ہے)۔''

(۴) حاملہ عورت کا خاوند اگر فوت ہو جائے یا اس کو طلاق ہو جائے' تو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) تک ہے۔ آیت قرآنی ہے:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ﴾ (الطلاق:۴)

''اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا حمل پیدا ہو جائے۔''

(۵) اگر کسی عورت کا خاوند انتقال کر جائے (خواہ رخصتی ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو)' تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ حکم خداوندی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ﴾ (البقرۃ:۲۳۴)

''اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں' وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن (نکاح سے) روکے رکھیں۔''

(ب) فسخ نکاح (تنسیخ نکاح)

اکثر علماء کے نزدیک خلع طلاق ہی ہے۔ یہی قول امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے اور یہی امام احمدؒ اور داؤدؒ کی رائے ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ بھی اسی رائے کے حامل ہیں' جب کہ امام شافعی کا آخری قول خلع کے طلاق ہونے کا ہے۔ دراصل خلع کو طلاق اور فسخ ماننے کا نتیجہ اس طرح سے ظاہر ہوگا کہ خلع کو طلاق کی تعداد میں شمار کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک خلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے۔ اور جو فقہاء خلع کو طلاق نہیں سمجھتے ان کے نزدیک قرآن پاک (سورۃ البقرۃ) میں پہلے مذکور ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪﴾ (البقرۃ: ۲۲۹) ''طلاق دو مرتبہ ہے''۔ بعدازاں فدیہ کا ذکر ہے اور اس کے بعد فرمایا گیا: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۳۰) ''پھر اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد) شوہر نے عورت کو (تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ پھر اس (مرد) کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔''

اگر یہاں فدیہ مذکورہ بھی طلاق ہی ہو' تو پھر اس کے بعد ذکر ہونے والی طلاق (جس کے بعد بیوی پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کر کے اسے طلاق نہ ملے) چوتھی طلاق شمار ہوگی۔ ان فقہاء کے نزدیک فسخ نکاح باہمی رضامندی سے ہونا چاہیے جیسا کہ فسخ بیع (اِقالہ) باہمی رضامندی سے ہوتا ہے' جبکہ اس سے برعکس رائے کے حامل فقہاء کا کہنا ہے کہ آیت مذکورہ میں فدیہ کا حکم تمام اَنواعِ طلاق کے ساتھ مربوط ہے' نہ کہ فدیہ طلاق کے علاوہ کوئی اور شے ہے۔ بہرحال اصل اختلاف یہ ہے کہ کیا عوض کی موجودگی خلع کو طلاق کے زمرہ سے نکال کر فسخ بنا دیتی ہے' یا کہ یہ بدستور طلاق ہی رہتی ہے۔ (۸)

ہمارے علمی مباحث اور مروّجہ عدالتی طریق کار میں بھی خلع اور فسخ نکاح کے معاملات کو باہمی ملا جلا یا یکجا کر دیا گیا ہے' لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان دونوں معاملات کو بالکل الگ الگ کیا جائے۔ فقہ حنفی میں حلال و حرام کا مسئلہ ہونے کی بنا پر عدالتی فسخ نکاح کے ضمن میں بہت زیادہ سختی سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بعض قیود کے ساتھ اس کی گنجائش موجود ہے۔ فقہ حنفی میں بھی یہ اصول مسلّمہ ہے کہ شدید ضرورت کی وجہ سے فسخ نکاح کے لیے دوسرے ائمہ کے اقوال اور آراء پر فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔

فسخ نکاح کے لیے چند صورتیں اور اسباب درج ذیل ہیں: شوہر خواہ مخواہ مار پیٹ کرتا رہتا ہے' ہر وقت جسمانی اور ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتا ہے' نہ ہی بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے اور نہ طلاق دے کر اسے فارغ کرتا ہے' شوہر بیوی کا نان و نفقہ ادا نہیں کرتا' اس کے ناروا اور ظالمانہ رویے کی وجہ سے بیوی کے فتنے میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ شوہر کسی موذی مرض' مثلاً برص' جذام' طاعون وغیرہ میں مبتلا ہے اور نکاح کے وقت بیوی کو اس بارے میں نہیں بتلایا گیا۔ شوہر کو طویل قید (مثلاً ۱۵' ۱۸ سال یا عمر قید) ہوگئی ہو' وہ طویل عرصے تک حقوق

زوجیت ادا نہیں کرتا یا ادا کرنے کے قابل نہیں رہا۔ غیر فطری اور غیر شرعی طریقے سے ہمبستری پر مجبور کرتا ہو‘ شوہر مجنون اور پاگل ہو گیا ہو اور علاج کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکا ہو‘ دوسروں کے ساتھ غیر اخلاقی اور غیر شرعی حرکات پر مجبور کرتا ہو‘ زبردستی بدنام لوگوں کے پاس اور بدنام جگہوں پر ساتھ لے جانے پر مصر ہو‘ شوہر سے جان کا کھلا خطرہ ہو‘ اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی بالکل ختم‘ مل کر رہنا ناممکن اور زندگی بالکل اجیرن اور عذاب بن کر رہ گئی ہو‘ وغیرہ۔ اس طرح کی تمام صورتوں میں قاضی/جج صاحبان کو ایسی تمام وجوہ ریکارڈ پر لانی ہوں گی‘ جس سے مدعیہ (بیوی) کے الزامات درست ثابت ہوئے ہوں۔ بعض امور میں حتمی نتیجے تک پہنچنے کے لیے متعلقہ ماہرین کی رائے بھی درکار ہوتی ہے اور اس سے لازماً مدد لینی چاہیے اور (اگر ممکن ہو) تو خاوند کو بھی لازماً بلا کر صفائی کا موقع دینا چاہیے‘ اس کے بعد ہی حتمی فیصلہ دیا جا سکتا ہے‘ یک طرفہ فیصلے سے گریز کرنا بہتر ہے۔

فسخ نکاح کی عدت ایک طلاق کے مطابق ہوگی‘ البتہ اس میں خاوند کی طرف سے رجوع بالکل نہیں ہو سکتا۔ فسخ نکاح اور خلع میں ایک واضح فرق ہے کہ فسخ نکاح (تنسیخ نکاح) میں اگر قاضی (منصف) متعلقہ وجوہات میں سے کسی کی ایک یا زیادہ کے سبب نکاح ختم کرتا ہے تو اس میں مہر کی معافی نہیں ہوتی‘ شوہر پر اس کی ادائیگی لازم رہے گی۔ جبکہ خلع میں عورت مہر کی معافی یا کسی اور شے یا مال کے عوض مرد سے علیحدگی (خلع) حاصل کرتی ہے[9]۔ جو شخص ستانے اور زیادتی کرنے کی نیت سے عورت کو روکے رکھتا ہے‘ نت نئے طریقوں سے اس پر ظلم و زیادتی کرتا ہے‘ مختلف قسم کی روحانی‘ ذہنی اور جسمانی اذیتیں اور تکلیفیں دیتا ہے اور اس کے حقوق ادا کرنے کا نام نہیں لیتا‘ تو اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ تمام افعال قطعاً ممنوع ہیں اور ایسا شوہر حدود اللہ سے بالکل تجاوز کر رہا ہے۔ ایسی صورت حال میں عورت کا یہ قطعی استحقاق بنتا ہے کہ وہ قانون کی مدد سے عدالت کے ذریعے ایسے ناہنجار مرد سے چھٹکارا حاصل کر لے۔

(ج) خلع (فدیہ‘ صلح‘ مبارات)

شرع اسلامی نے جس طرح مرد کو یہ حق دیا ہے کہ جس عورت کو وہ ناپسند کرتا ہے اور جس کے ساتھ اس کا کسی طرح سے نباہ نہیں ہو سکتا‘ اسے طلاق دے دے‘ اسی طرح عورت کو بھی یہ حق دلوایا ہے کہ جس مرد کو وہ ناپسند کرتی ہو اور کسی طور سے بھی اس کے ساتھ گزر بسر نہ کر سکتی ہو‘ اس سے (وجوہ شرعی کی بنا پر) خلع حاصل کر لے۔

اس ضمن میں احکامِ شریعت کے دو پہلو ہیں‘ ایک اخلاقی اور دوسرا قانونی۔ اخلاقی پہلو تو یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت‘ ہر ایک کو طلاق یا خلع کا اختیار آخری چارۂ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہیے‘ محض اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے طلاق اور خلع کو کھیل نہ بنا لیا جائے۔ اس بارے میں چند احادیث رہنمائی کرتی ہیں:

(ا) ((اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الذَّوَّاقِینَ وَالذَّوَّاقَاتِ))[10]

’’اللہ تعالیٰ (جنسی) مزے چکھنے والوں اور مزے چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

(ب) ((لَعَنَ اللّٰهُ كُلَّ ذَوَّاقٍ مِطْلَاقٍ)) (۱۱)

''ہر طالب لذت' بکثرت طلاق دینے والے پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔''

(ج) ((اَلْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ)) (۱۲)

''خلع کو کھیل بنانے والی عورتیں منافق ہیں۔''

(د) ((اَيُّمَا امْرَأَةٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ لَمْ تَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ)) (۱۳)

''جس کسی عورت نے اپنے شوہر سے بغیر کسی تنگی کے خلع لیا' وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گی۔''

(ہ) ((اَيُّمَا امْرَأَةٍ اخْتَلَعَت مِنْ زَوْجِهَا بِغَيْرِ نُشوزٍ فَعَلَيْهَا لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) (۱۴)

''جس کسی عورت نے اپنے شوہر سے اس کی زیادتی کے بغیر خلع لیا' اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو گی۔''

لیکن قانون کا کام اشخاص کے حقوق متعین کرنا ہے' وہ دوسرے پہلو سے بحث نہیں کرتا۔ اس میں جس طرح مرد کو بحیثیت شوہر طلاق کا حق حاصل ہے' اسی طرح عورت کو بھی بحیثیت بیوی خلع کا حق حاصل ہے' تاکہ دونوں کے لیے بوقت ضرورت نکاح کے بندھن سے آزادی حاصل کرنا ممکن ہو۔ اور کوئی فریق بھی ایسی حالت میں مبتلا نہ ہو جائے کہ دل میں نفرت ہے' مقاصد نکاح پورے نہیں ہو پا رہے' رشتہ ازدواج ایک مصیبت اور فتنہ بن گیا ہے' مگر جبراً ایک دوسرے کے ساتھ محض اس لیے بندھے پڑے ہیں کہ اس بندھن سے آزاد ہونے کی کوئی صورت نہیں بن پا رہی۔ رہا یہ سوال کہ دونوں میں سے کوئی اپنے حق کو بے جا طور پر استعمال نہ کر پائے' اس بارے میں قانون معقول اور ممکن حد تک پابندیاں عائد کر دیتا ہے' مگر حق کو بجا اور بے جا استعمال کرنے کا انحصار بڑی حد تک خود استعمال کرنے والے کی دیانت اور خدا ترسی پر ہے۔ اس کے اور خدا کے سوا کوئی بھی یہ صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ محض طالب لذت ہے یا فی الواقع اپنے حق کے استعمال کی جائز حاجت رکھتا ہے۔ طلاق کے بارے میں جس طرح قانون نے مرد کو عورت سے علیحدگی کا حق دے کر اس پر کئی پابندیاں لگائی ہیں' اسی طرح عورت کو بھی خلع کا حق دینے کے ساتھ چند قیود عائد کر دی گئی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

''تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ تم بیویوں کو دے چکے ہو وہ واپس لے لو' مگر یہ کہ میاں بیوی کو خوف ہو کہ (وہ) اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ تو ایسی صورت میں جبکہ تم کو خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں' اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر عقد نکاح سے آزادی حاصل کر لے۔''

اس آیت سے حسبِ ذیل احکام کا استنباط ہوتا ہے:

(۱) خلع ایسی حالت میں ہونا چاہیے جبکہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو۔ ’’فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا‘‘ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ اگرچہ خلع ایک بُری چیز ہے‘ لیکن جب یہ خوف ہو کہ اللہ کی حدود پامال ہو جائیں گی تو پھر خلع لینے میں کوئی برائی نہیں۔

(۲) جب عورت عقد نکاح سے آزاد ہونا چاہے تو وہ بھی اسی طرح مال کی قربانی گوارا کرے جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دینے کی صورت میں گوارا کرنا پڑتی ہے۔ مرد اگر خود طلاق دے تو وہ عورت کو دیے ہوئے مال میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ اگر عورت کی طرف سے جدائی کی خواہش کا اظہار ہو تو وہ مرد سے لیے ہوئے مال کا ایک حصہ یا پورا مال واپس کر کے علیحدہ ہو سکتی ہے۔

(۳) افتداء (یعنی معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرنے) کے لیے محض فدیہ دینے والی کی خواہش کافی نہیں ہے‘ بلکہ یہ معاملہ مکمل اس وقت ہوتا ہے جبکہ فدیہ لینے والا بھی راضی ہو۔ گویا بیوی محض ایک مال کی مقدار پیش کر کے خود بخود علیحدہ نہیں ہو سکتی‘ بلکہ اس علیحدگی کے لیے ضروری ہے کہ جو مال وہ پیش کر رہی ہے اسے شوہر قبول بھی کر لے۔

(۴) خلع حاصل کرنے کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ عورت اپنا پورا مہر یا اس کا ایک حصہ پیش کر کے علیحدگی/جدائی کا مطالبہ پیش کرے اور مرد اسے قبول کر کے اسے طلاق دے دے۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خلع کا عمل طرفین کی رضامندی سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو کہ خلع کے لیے قضائے قاضی کو شرط قرار دیتے ہیں۔

(۵) اگر خلع کے لیے عورت فدیہ پیش کرے اور مرد اسے قبول نہ کرے‘ تو اس صورت میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا جو کہ ’خِفْتُمْ‘ کے مخاطب ہیں‘ یعنی مسلمانوں کے اولی الامر۔ چونکہ اولی الامر کا اولین فریضہ حدود اللہ کی حفاظت ہے‘ اس لیے ان پر لازم ہوگا کہ جب حدود اللہ کے ٹوٹنے کے خوف کی تحقیق ہو جائے تو عورت کو اس کا وہ حق (خلع) اسے اپنے اس حکم سے دلوا دیں جو کہ انہی حدود کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے۔

ان مجمل احکام میں اس بات کی تصریح نہیں کہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کے خوف کی کن حالتوں میں مکمل تحقیق ہو سکے گی؟ فدیہ کی مقدار متعین کرنے میں عدل کیا ہے؟ اگر عورت فدیہ دینے پر آمادہ ہو اور مرد قبول نہ کرے تو ایسی صورت میں قاضی کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ ان تمام مسائل کی تفصیلات ہمیں ان مقدمات کی تفاصیل میں ملتی ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش ہوئے تھے۔

خلع کا سب سے مشہور مقدمہ وہ ہے جس میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے ان کی بیویوں نے خلع حاصل کیا۔ اس مقدمہ کی تفاصیل کے مختلف ٹکڑے حدیثوں میں بیان ہوئے ہیں‘ جن کو باہم ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ثابت سے ان کی دو بیویوں نے خلع حاصل کیا تھا۔ ایک بیوی جمیلہ بنت ابی بن سلول رضی اللہ عنہا (عبداللہ

بن اُبی کی بہن) کا قصہ یہ ہے کہ انہیں حضرت ثابت کی صورت ناپسند تھی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس خلع کے لیے فریاد کی اور یوں اپنی شکایت پیش کی: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا يَجْمَعُ رَاْسِيْ وَرَاْسَهٗ شَيْءٌ اَبَدًا، اِنِّيْ رفعتُ جانبَ الخباء فرأيتُه اقبل في عِدَّةٍ فاذا هو اشدُّهم سوادًا واقصرهم قامةً وَاَقْبَحُهُمْ وجهًا ''یارسول اللہ! میرے اور اس کے سر کو کوئی چیز کبھی جمع نہیں کر سکتی، میں نے اپنا گھونگھٹ اٹھایا تو وہ سامنے سے چند آدمیوں کے ساتھ آ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ وہ ان میں سب سے زیادہ کالا، سب سے پستہ قد اور سب سے زیادہ بدشکل تھا''۔ واللہ ما کرھتُ منه دینًا ولا خُلقا اِلَّا اِنّی کرھتُ دمامته[۱۵] ''خدا کی قسم! میں دین یا اخلاق کی کسی خرابی کے سبب سے اس کو ناپسند نہیں کرتی، بلکہ مجھے اس کی بدصورتی ناپسند ہے''۔ وَاللّٰهِ لَوْ لَا مَخَافَةُ اللّٰهِ اِذَا دَخَلَ عَلَيَّ لَبَصَقْتُ فِيْ وَجْهِهٖ[۱۶] ''خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آیا تھا اس وقت میں اس کے منہ پر تھوک دیتی''۔ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بِيْ مِنَ الْجَمَال ما ترٰی وثابت رجلٌ دَمیم[۱۷] ''یارسول اللہ! میں جیسی خوبصورت ہوں، آپ دیکھتے ہیں اور ثابت ایک بدصورت شخص ہے''۔ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ ''اور میں اس کے دین اور اخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی، مگر مجھے اسلام میں کفر کا خوف ہے (یعنی ایسی حالت میں عین ممکن ہے کہ میں شوہر کے حقوق کے ضمن میں شرعی احکام کی پابند نہ رہ سکوں)''[۱۸]۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ شکایت سنی اور فرمایا: ((اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَةَ الَّتِيْ اَعْطَاكِ؟)) ''جو باغ اس نے تجھے دیا ہے، وہ تو اس کو واپس کرے گی؟'' انہوں نے عرض کیا: ہاں، یارسول اللہ! بلکہ وہ زیادہ چاہے تو زیادہ بھی دوں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((اما الزيادة فلا ولكن حديقته)) ''زیادہ تو نہیں، مگر تو اس کا باغ واپس کر دے''۔ پھر حضرت ثابتؓ کو حکم دیا: ((اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً))[۱۹] ''باغ قبول کر لے اور اس کو ایک طلاق دے دے۔''

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک اور بیوی حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا واقعہ امام مالک اور ابوداؤد نے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک روز علی الصبح حضور ﷺ گھر سے نکلے تو حضرت حبیبہؓ کو کھڑا پایا۔ دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ لَا اَنَا وَلَا ثَابت بن قَیس ''میری اور ثابت بن قیس کی نبھ نہیں سکتی''۔ جب حضرت ثابتؓ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ حبیبہ بنت سہل ہے، اس نے بیان کیا جو کچھ اللہ نے چاہا کہ بیان کرے۔ حضرت حبیبہ نے گزارش کی کہ یارسول اللہ! جو کچھ ثابت نے مجھے دیا ہے، وہ سب میرے پاس ہے۔ حضور ﷺ نے ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ اس سے لے لو (اور اسے چھوڑ دو)۔ چنانچہ ثابتؓ نے ان سے وہ لے لیا اور وہ اپنے گھر والوں میں جا بیٹھی۔[۲۰] بعض روایتوں میں 'خل سبیلھا' اور بعض میں 'فارقھا' کے الفاظ ہیں، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ابوداؤد اور ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت ثابتؓ نے حبیبہؓ کو اتنا مارا تھا کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضرت حبیبہؓ نے حضور سے آ کر شکایت کی۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت ثابتؓ کو حکم دیا: ((خُذْ بَعْضَ مَالِهَا وَفَارِقْهَا)) ''اس کے مال کا ایک حصہ لے لے

اور اس سے جدا ہو جا''۔ مگر ابن ماجہ نے حضرت حبیبہؓ کے جو الفاظ نقل کیے ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیبہ کو حضرت ثابت کے خلاف شکایت مار پیٹ کی نہیں' بلکہ بدصورتی کی تھی' چنانچہ انہوں نے وہی الفاظ کہے جو دوسری احادیث میں جمیلہؓ سے منقول ہیں کہ ''اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا تو میں ثابت کے مُنہ پر تھوک دیتی''۔

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک عورت اور مرد کے درمیان خلع کا مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے عورت کو نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا' مگر اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر آپؓ نے عورت کو کوڑے کرکٹ سے بھری ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ تین دن کی قید کے بعد حضرت عمرؓ نے اسے نکالا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ عورت نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! مجھے انہی تین راتوں میں راحت نصیب ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو حکم دیا: **اخلعها ويحك ولو من قرطها** (کشف الغمہ' ج ۲) (اس عورت کو خلع دے دو' خواہ اس کی کان کی بالیوں کے عوض ہی میں ہو۔

ربیع بنت معوذ بن عفراء نے اپنے شوہر سے اپنی تمام املاک کے عوض خلع حاصل کرنا چاہا' مگر وہ نہ مانا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا۔ اختتام پر حضرت عثمانؓ نے ان کے شوہر کو حکم دیا کہ اس کی چوٹی کا موباف تک لے لے اور اس (زوجہ) کو خلع دے دے (**فاجازہ واَمَرَہٗ بِاَخْذِ عقاس رأسها فما دونه**)۔ (عبد الرزاق بحوالہ فتح الباری)

احکامِ خلع

ان روایات سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

(ا) ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر وہ شکایات ہیں جو کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیویوں سے منقول ہیں۔ حضور ﷺ نے ان عورتوں کی اس شکایت کو خلع کے لیے کافی سمجھا کہ ان کا شوہر بدصورت ہے اور وہ اس کو پسند نہیں کرتیں۔ آپؐ نے ان کو خوبصورتی اور بدصورتی کے فلسفہ پر کوئی وعظ نہیں کہا' اس لیے کہ آپؐ کی نظر شریعت کے مقاصد پر تھی۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان عورتوں کے دلوں میں شوہر کی طرف سے نفرت اور کراہیت بیٹھ چکی ہے تو آپؐ نے ان کی خلع کی درخواست کو قبول فرما لیا' کیونکہ نفرت اور کراہیت کے ساتھ ایک بیوی اور شوہر کو جبراً ایک دوسرے کے ساتھ باندھ رکھنے کے نتائج دین' اخلاق اور تمدّن کے لیے طلاق اور خلع سے زیادہ خراب ہیں' ان سے تو مقاصد شریعت کے ہی ختم ہو جانے کا ڈر ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ کے عمل سے یہ قاعدہ نکلتا ہے کہ خلع کا حکم نافذ کرنے کے لیے محض اس بات کا ثابت ہو جانا کافی ہے کہ عورت اپنے شوہر کو بالکل ناپسند کرتی ہے اور قطعاً اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔

(ب) حضرت عمرؓ کے فیصلے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفرت اور کراہیت کی تحقیق کے لیے قاضی کوئی بھی مناسب تدبیر اختیار کر سکتا ہے' تاکہ کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے اور یقین کی حد تک یہ بات واضح ہو جائے کہ زوجین میں اب نباہ ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

(ج) حضرت عمرؓ کے عمل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نفرت وکراہیت کے اسباب کا کھوج لگانا لازم نہیں، اور یہ ہے بھی ایک معقول بات۔ عورت کو اپنے شوہر سے بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر نفرت ہو سکتی ہے جن کو کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے اسبابِ نفرت بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کو بیان کیا جائے تو سننے والا انہیں کافی نہ سمجھے، لیکن جس کو دن رات ان اسباب سے سابقہ پیش آتا ہے اس کے دل میں نفرت وکراہیت پیدا کرنے کے لیے وہ کافی ہوتے ہیں۔ تو اب قاضی کا کام صرف اس بیان کی تحقیق کرنا ہے کہ عورت کے دل میں شوہر کے لیے واقعی نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ یہ فیصلہ کرنا اس کا کام نہیں کہ جو وجوہ عورت بیان کر رہی ہے وہ نفرت کے لیے کافی ہیں یا نہیں۔

(د) قاضی وعظ ونصیحت کر کے عورت کو شوہر کے ساتھ رہنے کے لیے راضی کرنے کی کوشش تو کر سکتا ہے، مگر اس کی رضامندی اور خواہش کے خلاف اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ خلع عورت کا حق ہے جو خدا نے اسے دیا ہے۔ اب اگر وہ اس بات کا اندیشہ ظاہر کرتی ہے کہ شوہر کے ساتھ رہنے میں وہ حدود اللہ پر قائم نہیں رہ سکے گی، تو پھر کسی کو اسے یہ کہنے کا حق نہیں ملتا کہ چاہے تو حدود اللہ کو توڑ دے، مگر تجھے رہنا بہرحال اسی شوہر کے ساتھ ہوگا۔ یہ تو صریحاً عورت کی حق تلفی کہلائے گی۔

(ہ) خلع کے معاملے میں یہ سوال دراصل قاضی کے لیے تنقیح طلب ہے ہی نہیں کہ آیا عورت جائز ضرورت کی بنا پر خلع کی طالب ہے یا پھر محض نفسانی خواہشات کے لیے علیحدگی چاہتی ہے۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے جب خلع کے مقدمات کی سماعت کی تو اس سوال کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اول تو اس سوال کی کماحقہٗ تحقیق کرنا کسی قاضی کے بس کا عمل نہیں۔ دوسرے خلع کا حق عورت کے لیے مرد کے اس حق کے مقابلے میں ہے جو کہ طلاق کی صورت میں اسے دیا گیا ہے۔ ذوّاقیت کا احتمال تو دونوں صورتوں میں یکساں ہے، مگر مرد کے حق طلاق کو اس قید کے ساتھ قانونِ شرعی میں مقید نہیں کیا گیا کہ ذواقیت کے لیے استعمال نہ کیا جائے تو پھر قانونی حق کی حد تک عورت کے حق خلع کو بھی کسی اخلاقی قید سے مقید نہیں ہونا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ خلع لینے والی عورت دو حال سے خالی نہ ہوگی، یا تو وہ فی الواقع خلع کی جائز ضرورت رکھتی ہے اور یا پھر محض ذوّاقہ ہے۔ پہلی صورت میں عورت کے مطالبے کو رد کرنا ظلم وزیادتی ہوگی اور دوسری صورت میں اسے خلع نہ دلوانے سے شریعت کے اہم مقاصد ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ جو عورت طبعاً ذوّاقہ ہے، وہ تو اپنی عادت کی تسکین کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر اختیار کر کے رہے گی۔ اگر اس کو جائز طریقے سے آپ ایسا نہ کرنے دیں گے تو وہ پھر ناجائز طریقوں سے اپنے داعیہ کو پورا کر کے رہے گی، اور یہ زیادہ برا اور غلط ہوگا۔ ایک عورت کا بیسیوں شوہروں کو یکے بعد دیگرے بدلنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کی قیدِ نکاح میں رہتی ہوئی ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کر لے۔

(و) اگر عورت خلع چاہے اور شوہر اس پر راضی نہ ہو تو پھر قاضی اس کو حکم دے گا کہ اسے چھوڑ دے۔ تمام روایات میں ایسا ہی آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مندرجہ بالا صورت حال میں مال

قبول کر کے خاوند کو اپنی زوجہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ قاضی کا حکم ہر حال میں یہی معنی رکھتا ہے کہ محکوم علیہ اس کو بجالانے کا پابند ہو' حتیٰ کہ اگر وہ اس حکم پر عمل نہ کرے تو قاضی اسے قید کر سکتا ہے۔ شرع اسلامی میں قاضی کی حیثیت صرف ایک مشیر کی سی نہیں کہ اس کا حکم مشورے کے درجے میں ہو اور محکوم علیہ کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار دیا گیا ہو' بلکہ یہ حکم واجب التعمیل ہے۔ شرعی خلع میں خاوند کی رضامندی بھی ضروری ہے' جبکہ ہمارے عدالتی نظام میں یکطرفہ خلع کروانا بھی رائج ہوتا جا رہا ہے جس میں مرد کی رضامندی بالکل مدِنظر نہیں رکھی جاتی۔ بیوی کو پیش آمدہ مخصوص حالات کے تحت قاضی/جج شوہر کی مرضی کے بغیر بھی فسخ نکاح کر سکتا ہے۔

(ز) خلع کا حکم نبی کریم ﷺ کی تصریحات کے مطابق ایک طلاق بائن کا ہے' یعنی اس کے بعد زمانہ عدت میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا' اس لیے کہ یہ حق باقی رہنے سے خلع کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ عورت نے جو مال اس کو دیا ہے' وہ عقدِ نکاح سے اپنی رہائی کے عوض دیا ہے۔ اب اگر خاوند معاوضہ لے لے اور بیوی کو نکاح کے بندھن سے رہائی نہ دے تو پھر یہ فریب اور دغا ہوگا' جس کو شریعت کبھی بھی جائز نہیں کہہ سکتی۔ ہاں اگر عورت اپنی خوشی سے دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو اجازت ہے۔ یہ اس قسم کی طلاق ہے جس کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کے لیے تحلیل کی شرط نہیں ہے۔

(ح) اللہ تعالیٰ نے خلع کے معاوضہ کے تعین کے بارے میں کوئی قید نہیں لگائی' جتنے معاوضے پر بھی زوجین راضی ہو جائیں اس پر خلع کا معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ البتہ حضور پاک ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا کہ شوہر خلع کے معاوضے میں اپنے دیے ہوئے مہر سے زیادہ مال لے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((لَا يَأْخُذُ الرَّجُلُ مِنَ الْمُخْتَلِعَةِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا))[21] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی صریح الفاظ کے ساتھ اسے مکروہ کہا ہے' ائمہ مجتہدین کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ بلکہ اگر عورت اپنے شوہر کے ظلم کی وجہ سے خلع کا مطالبہ کرے تو شوہر کے لیے سرے سے عوض میں مال لینا ہی مکروہ ہے' جیسا کہ ہدایہ کے الفاظ ہیں: **وان كان النشوز من قبله يكره له ان ياخذ منها عوضًا** ''اور اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہو تو مرد کا خلع میں کچھ لینا مکروہ ہے''۔ ان واضح تصریحات کو دیکھتے ہوئے شرعی اصول کے تحت یہ ضابطہ بنایا جا سکتا ہے کہ اگر خلع مانگنے والی عورت اپنے شوہر کا نشوز ثابت کر دے' یا خلع کے لیے ایسی وجوہ ظاہر کرے جو قاضی کے نزدیک معقول ہوں' تو اس کو مہر کے ایک قلیل حصے یا نصف کی واپسی پر خلع دلا دیا جائے۔ اور اگر عورت نہ اپنے شوہر کا نشوز ثابت کرے اور نہ ہی کوئی دوسری معقول وجہ ظاہر کرے تو اس کے لیے پورا مہر یا اس کا ایک بڑا حصہ واپس کرنا ضروری قرار دیا جائے۔

خلع کی مندرجہ بالا بحث سے یہ حقیقت صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی قانون میں عورت اور مرد کے حقوق کے درمیان کس قدر منصفانہ توازن قائم کیا گیا ہے۔ اب یہ ہماری اپنی غلطی اور کوتاہی ہے کہ ہم نے عورتوں سے ان کے حقِ خلع کو عملاً سلب کر لیا ہے' اور اصولِ شرع کے خلاف نکاح کے بندھن کو مکمل طور پر مردوں کی خواہش پر منحصر ٹھہرا دیا ہے۔ اس طرزِ عمل سے عورتوں کی جو حق تلفیاں ہوتی رہیں اور ہو رہی ہیں' اس کی

ذمہ داری خدا اور اس کے رسول ﷺ کے قانون پر قطعاً نہیں ہے' بلکہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اس قانون کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اب بھی اگر عورتوں کا یہ حق قائم ہو کر انہیں مل جائے تو بہت سی ایسی گتھیاں سلجھ جائیں جو ہمارے ازدواجی معاملات میں پیدا ہو گئی اور ہوتی جا رہی ہیں۔

عورت سے خلع کے حق کو جس بات نے عملاً سلب کر رکھا ہے وہ یہ غلط خیال ہے کہ شارع نے خلع کا معاملہ مکمل طور پر زن و شوہر کے مابین رکھا ہے اور قاضی کا اس میں مداخلت کرنا اس کے حدود و اختیار سے باہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلع دینا یا نہ دینا بالکل شوہر کی مرضی پر موقوف ہو گیا۔ اب اگر عورت خلع حاصل کرنا چاہتی ہے تو مرد اپنی خود غرضی یا تنگ کرنے کے لیے عورت کو یہ حق نہیں دیتا' تو پھر مصیبت زدہ بیوی کے لیے کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں رہتا اور یہ عمل شارع کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ شارع کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ یہ معاملہ نکاح کے ایک فریق کو مکمل طور پر بے بس کر کے دوسرے فریق کے ہاتھ میں دے دیا جائے' اور اگر ایسا ہی ہوتا تو وہ بلند اور اعلیٰ اخلاقی و تمدّنی مقاصد بالکل ختم ہو کر رہ جاتے جو شارع نے مناکحت کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ اسلامی شریعت میں قانونِ ازدواج کی بنیاد ہی اس اصل پر رکھی گئی ہے کہ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق جب تک پاکیزگی اخلاق اور مؤدّت و رحمت کے ساتھ قائم رکھا جا سکتا ہے' اس بندھن کا استحکام لازمی اور ضروری ہے اور اسے توڑنا یا تڑوانے کی کوشش کرنا بالکل ناپسندیدہ ہے۔ اور جب یہ تعلق فریقین کے لیے یا دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اخلاق کی خرابی کا سبب بن جائے یا اس میں مؤدت و رحمت کی جگہ نفرت و کراہیت داخل ہو جائے تو پھر اس کا ختم کر دینا ہی لازم ٹھہرتا ہے اور اس کا بتکلف باقی رکھنا اغراض و مقاصدِ شریعت کے خلاف ہے۔ اس کلیۂ اصل کے تحت شریعت نے معاملہ نکاح کے دونوں فریقوں کو ایک ایک قانونی حل اور راستہ دیا ہے' جس سے وہ نکاح کے بندھن کے ناقابلِ برداشت ہو جانے کی صورت میں' اس مشکل سے نکلنے کا کام لے سکتے ہیں۔ مرد کو طلاق کے حق کے آزادانہ استعمال میں اختیار دیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں عورت کے لیے خلع کا حق رکھا گیا ہے۔ حقِ خلع کے استعمال کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ جب بیوی اسے استعمال کرنا چاہے تو پہلے تو شوہر سے خلع کا مطالبہ کرے اور اگر وہ انکار کر دے تو پھر اس حوالے سے قاضی سے مدد لے۔

میاں بیوی کے حقوق میں اسی طرح سے توازن قائم رہ سکتا ہے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے درحقیقت یہی توازن قائم کیا تھا۔ مگر پھر قاضی کے اختیارِ سماعت کو درمیان سے نکال کر یہ توازن بگاڑ دیا گیا اور یوں بیوی کو عطا کردہ شرعی حق بالکل رائیگاں ہو گیا۔ اب عملاً قانون کی صورت بگڑ کر یہ ہو گئی کہ اگر مرد کو ازدواجی تعلق میں حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو یا یہ تعلق برقرار رکھنا اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائے' تو وہ اسے طلاق کے عمل سے ختم کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی ڈر عورت کو ہو یا پھر ازدواجی تعلق اس کے لیے بھی ناقابلِ برداشت بوجھ بن جائے' تو اس کے پاس اس تعلق کو ختم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں' یہاں تک کہ مرد ہی اس کو آزاد نہ کر دے۔ وہ بیچاری مجبور ہے کہ ہر حال میں اس بندھن سے باہر نہ نکل پائے' خواہ حدود اللہ پر قائم رہنا اس کے لیے محال ہی

کیوں نہ ہو جائے اور مناکحت کے شرعی مقاصد ختم ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ کیا اب کسی میں اتنی جسارت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت پر اتنی کھلی بے انصافی کا الزام عائد کر سکے؟ اور اگر کوئی اتنی جسارت کا مرتکب ہو ہی جاتا ہے تو پھر اسے اقوالِ فقہاء اور فقہی موشگافیوں سے ہٹ کر براہِ راست کتاب وسنت سے اس کا واضح ثبوت پیش کرنا ہو گا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قاضی کو خلع کے معاملے میں قطعاً کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔

قرآن کریم کی جس آیت میں خلع کا قانون بیان کیا گیا ہے' اس پر دوبارہ ایک نظر ڈالیں: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹) ''پھر اگر تم کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ان دونوں (زوجین) پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ (بیوی) کچھ فدیہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے''۔ غور کریں کہ اس آیت میں زوجین کا ذکر تو غائب کے صیغوں میں کیا گیا ہے' لہٰذا لفظ 'خِفْتُمْ' کے وہ مخاطب نہیں ہو سکتے۔ اب لامحالہ یہی ماننا پڑے گا کہ اس کے مخاطب مسلمانوں کے اولی الامر ہیں اور حکم الٰہی کا منشا یہ ہے کہ اگر خلع پر زوجین میں باہمی رضامندی نہ ہو پائے تو پھر اس کے حل کے لیے اولی الامر ہی کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس کی تصدیق ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو کہ پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔ حضور پاک ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے پاس خلع کے دعوے لے کر عورتوں کا آنا اور ان حضرات کا ان کی سماعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ جب زوجین میں باہمی رضامندی حاصل نہ ہو سکے تو پھر زوجہ کو اس معاملے میں قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اب اگر فی الواقع قاضی اس معاملے میں بے اثر اور بے اختیار ہو اور مرد کے راضی نہ ہونے کی صورت میں قاضی اس سے اپنا فیصلہ منوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو' تو پھر قاضی کو مرجع قرار دینا سرے سے فضول ہو گا' کیونکہ اس کے پاس جانے اور نہ جانے کا نتیجہ ایک ہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی اس معاملے میں بے اختیار ہے؟ حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے جتنے فیصلے منقول ہوئے ہیں' ان میں یا تو صیغہ امر آیا ہے جیسے طَلِّقْهَا (اسے طلاق دے) 'فَارِقْهَا (اس سے جدا ہو جا) اور خَلِّ سَبِيلَهَا (اس کو چھوڑ دے)' یا یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے مرد کو حکم دیا کہ ایسا کرے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں کہ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ''پھر آپ نے ان (زوجین) کو جدا کر دیا'' اور یہی الفاظ اس روایت میں بھی ہیں جو خود جمیلہؓ بنت ابی سلول سے منقول ہے۔ اس کے بعد یہ شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ قاضی خلع کے معاملے میں حکم دینے اور فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اگر شوہر اس حکم کو محض مشورہ سمجھ کر ماننے سے انکار کر دے تو ایسی صورت میں کیا قاضی اس سے زبردستی اپنا حکم منوا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں تو ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آپ حضرات نے کوئی فیصلہ صادر کیا ہو اور پھر کسی کو اس سے سرتابی کی جرأت ہوئی ہو' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے ہم قیاس کر سکتے ہیں جس میں آپؓ نے ایک اکھڑ شوہر سے فرمایا تھا: لَسْتَ

بِبارحٍ حتّٰی ترْضٰی بِمثلِ ما رَضِیتْ بِہٖ[۲۲] یعنی تجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جائے گا جب تک کہ تو بھی اسی طرح حکمین کا فیصلہ قبول کرنے پر راضی نہ ہو جس طرح کہ عورت راضی ہوئی ہے۔ اب اگر قاضی ایک شوہر کو حکمین کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار پر حراست میں رکھ سکتا ہے تو پھر وہ اپنا فیصلہ منوانے کے لیے تو بدرجہ اولیٰ اپنا اختیار اور طاقت استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے' اور کوئی وجہ نہیں کہ تمام معاملات میں سے صرف خلع ہی ایسا مسئلہ ہو جسے قاضی کے اس حق سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ فقہ کی کتابوں میں متعدد جزئیات ایسی ملتی ہیں جن میں قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر شوہر اس کے حکم سے طلاق نہ دے تو قاضی خود تفریق کرا دے' تو پھر خلع کے معاملے میں قاضی سے یہ حق کیسے چھینا جا سکتا ہے؟[۲۳]

عورت اپنی ملکیت کا سب کچھ دے کر خلع لے سکتی ہے' اور خاوند اپنی دی ہوئی چیزوں سے زائد بھی لے سکتا ہے۔ حضرات ابن عمر' ابن عباس رضی اللہ عنہم' مجاہدؒ' عکرمہ' ابراہیم نخعی' لیث' امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ اصحاب ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو کچھ اس نے دیا ہے اسے واپس لے لے' لیکن اس سے زیادہ لینا جائز (درست) نہیں۔ اگر خاوند کے اپنی طرف سے زیادتی ہو تو پھر اسے کچھ بھی لینا جائز (درست) نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ' امام احمد' اسحاق بن راہویہ' سعید بن مسیّب' عطاء' زہری' طاؤس' شعبی' حماد بن سلیمان اور اوزاعی رحمہم اللہ کا قول ہے کہ خاوند کو اپنے دیے ہوئے سے زیادہ مال لینا جائز نہیں۔ اس موقف کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع لینے والی عورت کے خاوند سے فرمایا کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ اس صورت میں ﴿فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ﴾ کا مفہوم ہوگا کہ خاوند کے دیے ہوئے میں سے جو کچھ دے' کیونکہ اس سے پہلے فرمانِ الٰہی موجود ہے کہ تم نے انہیں (ازواج کو) جو بھی دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو۔ ربیع کی قراءت میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔

بعض حضرات خلع کو طلاق شمار نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی ہیں' پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے' تو ایسی صورت میں اگر خاوند چاہے تو پھر بھی نکاح کر سکتا ہے' اور اس پر دلیل یہی آیت لاتے ہیں۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں' اول آخر طلاق کا ذکر ہے' پہلے دو طلاقوں کا' پھر آخر میں تیسری طلاق کا' اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے (پس ثابت ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے)۔ حضرات عثمان' ابن عمر رضی اللہ عنہم' طاؤس' امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' ابوثور اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ خلع طلاق نہیں بلکہ نکاح کا فسخ ہے' اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ دیگر ائمہ وعلماء حضرات عمر' علی' ابن مسعود' ابن عمر رضی اللہ عنہم' سعید بن مسیّب' حسن' عطاء' شریح' شعبی' ابراہیم' ثوری' اوزاعی' امام مالک' امام شافعی (کا جدید قول) اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے کہ خلع طلاق ہے۔ (احناف کے نزدیک خلع الفاظ کنایہ میں سے ہے۔ اس لفظ میں ایک اور تین طلاق کی نیت تو ہو سکتی ہے لیکن دو طلاق کی نیت نہیں ہو سکتی' مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی۔)

(ا) حضرات عمر‘ علی‘ ابن مسعود رضی اللہ عنہم‘ سعید بن مسیّب‘ سلیمان بن یسار‘ عروہ‘ سالم‘ عمر بن عبدالعزیز‘ حسن‘ شعبی‘ ابراہیم نخعی‘ قتادہ‘ سفیان ثوری‘ اوزاعی‘ لیث بن سعد‘ اسحاق بن راہویہ‘ امام ابوحنیفہ‘ شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں کہ خلع چونکہ طلاق ہے‘ پس اس کی عدت طلاق کی عدت کی مانند ہے۔ دوسرا قول ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے‘ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے‘ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ جو حضرات خلع کو فسخ کہتے ہیں‘ ان کا قول بھی یہی ہونا چاہیے۔ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا اور ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حیض کی عدت کا ہی کہا تھا۔

(ب) جمہور علمائے کرام اور چاروں ائمہ کے نزدیک خلع لینے والی عورت سے خاوند کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہے‘ کیونکہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو (نکاح سے) آزاد کرا لیا ہے‘ البتہ امام سفیان ثوری اور داؤد ظاہری کا کہنا ہے کہ اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں ہے تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کا حق حاصل نہیں‘ اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بے شک خاوند رجعت کا پورا حق دار ہے۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر مرد عورت (میاں بیوی) راضی ہوں تو از سر نو نکاح کر سکتے ہیں۔ (۲۴)

﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

’’پھر اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں (زوجین) اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے (علیحدگی حاصل کرنے) کے لیے کچھ دے ڈالے‘ اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔‘‘

قراء کہتے ہیں کہ یہاں ’عَلَيۡهِمَا‘ کے لفظ سے فقط خاوند مراد ہے‘ عورت نہیں اور محض ان کے باہمی اتصال کے سبب سے دونوں کو اکٹھا بیان کر دیا ہے‘ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشادِ خداوندی ہے: ﴿نَسِيَا حُوۡتَهُمَا﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خادم دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے‘ جبکہ بھولنے والے خادم تھے نہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ ظاہر یہاں یہ ہے کہ اس مال کے لینے میں جیسا کہ مرد کو گناہ ہوتا ہے۔ اس ضمن میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـئًا﴾ (البقرۃ: ۲۲۹)

’’اور جو تم (خاوند) انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی لینا تمہیں جائز (حلال) نہیں۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنۡ اَرَدْتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـئًا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝۲۰﴾ (النساء)

’’اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے ایک کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔ کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے!‘‘

اسی طرح طلاق کی خاطر اس مال کے دینے میں عورت کو بھی گناہ ہوتا ہے‘ اس لیے کہ طلاق مانگنا گناہ

ہے۔فرمانِ نبویؐ ہے:

((اَیُّمَا امْرَاَۃٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِھَا مِنْ غَیْرِ بَاْسٍ لَمْ تَرِحْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ))(۲۵)

''جو عورت بلا کسی خوف کی بات کے اپنے خاوند سے طلاق مانگے' اس پر جنّت کی خوشبو بھی حرام ہے۔''

گناہ ہونے پر مال کا دینا حرام ہے' ناحق مال کو برباد کرنے سے انسان کو منع کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ((اَلْمُخْتَلِعَاتُ ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ)) ''خلع (ناحق) لینے والی عورتیں منافق ہی ہیں'' کا دراصل یہی مطلب ہے۔ لیکن جب خدائی قانون کی پابندی نہ کر سکنے اور گناہ کے مرتکب ہی ہو جانے کا زوجین کو اندیشہ ہو' تو دونوں کو مال (فدیہ) لینا اور دینا جائز ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ دونوں کے درمیان لڑائی جھگڑا اور فساد ہونے کا اندیشہ ہو۔ اگر فقط خاوند ہی کی طرف سے زیادتی اور ظلم ہو تو پھر اس کو یہ مال لینا جائز نہیں۔ یہاں صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ اس (خاوند) کو یہ مال لینا مکروہ تحریمی ہے' لیکن حق یہ ہے کہ یہ لینا حرام ہے اور اس کے مباح ہونے کا کوئی بھی ثبوت نہیں۔ اس کی حرمت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ناحق ایک مسلمان کا مال چھیننا اور حاصل کرنا نیز عورت کو بلاخواہش کے محض اس لیے روکنا کہ وہ مصیبت اور تکلیف میں رہے اور آخر کار اس سے مال حاصل ہو' صریحاً حرام ہے۔

خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح' اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام شافعی کا (مشہور) قول یہ ہے کہ خلع طلاق ہے اور اس پر طلاق کے تمام احکام نافذ ہوں گے' ایک روایت امام احمد سے بھی یہی ہے۔ متعلقہ آیت کا شانِ نزول بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ عبدالرزاق نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے خلع کو ایک طلاق (کے برابر) کر دیا تھا۔ (یہ روایت مرسل صحیح ہے)' امام شافعی کا قول ہے کہ سعید بن مسیّب کی مرسل احادیث مسند حدیثوں کے حکم میں ہیں۔ دوسرا قول امام احمد کا اور ایک روایت امام شافعی سے یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے' طلاق نہیں۔ پس جو خلع کو فسخ کہتے ہیں' ان کے نزدیک نہ اس سے طلاق کا عدد کم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ دوسری طلاق ملتی ہے' نہ ہی عدت کے اندر میاں بیوی میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ دونوں فریق مذکورہ بالا آیت کو ہی بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ خلع کو فسخ نکاح کہنے والوں کی دلیل اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آیت میں دو طلاقوں کا ذکر کر کے پھر خلع کا ذکر کیا ہے' اس کے بعد پھر اپنے قول ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ﴾ سے تیسری طلاق کا ذکر کیا ہے۔ پس اب اگر خلع بھی طلاق ہی ہو تو چار طلاقیں ہونی لازم آتی ہیں (حالانکہ طلاقیں بالاتفاق تین ہی ہیں)۔ یہ استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

نافع مولیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے سنا' جبکہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کر رہی تھیں' کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں میں نے اپنے خاوند سے خلع کر لیا تھا۔ پھر میرے چچا حضرت عثمانؓ کی خدمت میں گئے اور ان سے بیان کیا کہ معوذ کی بیٹی نے آج اپنے خاوند سے خلع کر لیا ہے' کیا وہ اب اپنے گھر چلی جائے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ضرور چلی جائے' نہ اب ان میاں بیوی

کے درمیان میراث ہے اور نہ عورت کے ذمہ عدت ہے‘ ہاں جب تک اس کو ایک حیض نہ آ لے‘ تب تک یہ (نیا) نکاح نہ کرے‘ کیونکہ اندیشہ ہے کہ شاید اسے حمل ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ (حضرت) عثمانؓ ہم سب سے بہتر اور ہم سب سے بڑے عالم تھے۔

دوسرے فریق کا استدلال یہ ہے کہ رجعت والی طلاق کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد عورت کے فدیہ دینے کا ذکر کیا ہے‘ اور باوجود طرزِ کلام سے کہ فعل کی اسناد میاں بیوی دونوں کی طرف ہوتی ہے‘ لیکن مال دینے کی اسناد خاص عورت کی طرف کرنا اور اسے ادا کیے بغیر خاوند سے جدائی اور علیحدگی نہ ہوسکنا‘ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ طلاق دینا خاوند ہی کا فعل ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے طلاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں‘ ایک مال کے ساتھ اور دوسری بغیر مال کے۔ پھر فرمایا: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ﴾ اور فاء تعقیب کے لیے ایک خاص حرف ہے‘ اور فدیہ دینے کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے طلاق کو بیان کیا ہے۔ پس اگر خلع کے بعد طلاق واقع نہ ہو تو فاء کا موجب باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ کہنا کہ یہ پہلے کلام سے متعلق ہے اور لَا يَحِلُّ لكم سے الظّٰلمون تک جملہ معترضہ ہے‘ درست نہیں اور بلا دلیل کے نظمِ کلام میں خلل ڈالنا ہے۔ یہاں صرف عورت کے مال دینے کو ذکر کیا ہے اور خاوند کے فعل سے سکوت ہے۔ پس اس کا فعل طلاق ہے جو آیت میں پہلے مذکور ہو چکا۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ جس طلاق کا پہلے ذکر ہوا‘ اگر وہ مال کے ساتھ نہیں تو رجعی ہے اور اگر مال کے ساتھ ہے تو پھر بائن ہے‘ تاکہ (مال) دینا متحقق ہو جائے‘ اور بدل ومبدل منہ (یعنی طلاق اور مال) خاوند کی ملک میں جمع نہ ہوں گے‘ خواہ یہ (جمع نہ ہونا) طلاق کے لفظ سے ہو‘ خلع کے لفظ سے ہو یا کسی اور لفظ سے جس سے یہ معنی حاصل ہو جائیں۔

متذکرہ بالا آیت ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ میں ’مَا‘ کا حرف عام اور تھوڑے‘ زیادہ سب کو شامل ہے‘ اس لیے اس پر عمومی اتفاق ہے کہ خلع کا فدیہ‘ مہر سے زیادہ پر بھی درست ہے‘ لیکن بہتر ہے کہ مہر سے زیادہ نہ لیا جائے۔[۲۶]

خلع کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بوقت ضرورت مرد کو طلاق دینا جائز ہے اسی طرح اگر عورت نباہ نہ کر سکتی ہو تو اس کو اجازت ہے کہ شوہر کا مہر وغیرہ واپس کر کے اس سے گردن چھڑا لے‘ اور اگر شوہر اس پر آمادہ نہ ہو تو پھر عدالت (قاضی) کے ذریعے خلع حاصل کر لے۔ عدالت کے ذریعے جو خلع لیا جاتا ہے‘ اس کی صورت یہ ہے کہ عدالت اگر محسوس کرے کہ میاں بیوی کے درمیان موافقت اور گزارا نہیں ہوسکتا تو عورت سے کہے کہ وہ اپنا مہر چھوڑ دے‘ اور شوہر سے کہے کہ وہ مہر چھوڑنے کے بدلے بیوی کو طلاق دے۔ اگر شوہر اس کے باوجود بھی طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت اس کی مرضی کے بغیر خلع کا فیصلہ نہیں کر سکتی (اس کے لیے دوسرا طریقہ ہے)۔ خلع سے ایک طلاق بائن ہو جاتی ہے اور اس کی شرعی عدت پوری کرنی بھی لازم ہے۔ میاں بیوی کے درمیان دوبارہ مصالحت ہو جائے تو مجلس میں نکاح ازسرِنو کرنا ہوگا۔

شوہر اگر ظالم و جابر ہے اور متعینہ طور پر نان و نفقہ بھی ادا نہیں کرتا' تو بیوی کو خاندان کے بزرگوں کے ذریعے شوہر کو خلع دینے پر آمادہ کرنا چاہیے۔ اگر پھر بھی شوہر خلع نہ دے تو عورت عدالت سے رجوع کرے اور شوہر کا ظلم و جبر اور نان و نفقہ کی ادائیگی نہ کرنا شہادت کے ذریعے ثابت کرے۔ اب اگر عدالت کو یہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ دعویٰ صحیح ہے تو وہ شوہر کو حکم دے گی کہ یا تو بیوی کے شرعی حقوق ادا کرو' ورنہ طلاق دے دو۔ کوئی ہٹ دھرم اور راہِ راست سے بھٹکا ہوا شوہر عدالت کے حکم کی سرتابی کرے' تو عدالت کو خود نکاح فسخ (ختم) کر دینے کا مکمل اختیار ہے۔

طلاق اور خلع میں پہلا فرق یہ ہے کہ خلع کا مطالبہ عموماً عورت کی جانب سے ہوتا ہے۔ اگر مرد کی جانب سے اس کی پیشکش ہو تو وہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے' عدم قبولیت کی صورت میں یہ خلع واقع نہ ہوگا۔ طلاق مرد کی طرف سے دی جاتی ہے' اور عورت قبول کرے یا نہ کرے' یہ مؤثر ہو جاتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مرد کے دیے گئے خلع کو اگر عورت قبول کر لے تو اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے' طلاق سے نہیں ہوتا۔ اب اگر شوہر یہ کہے کہ میں تمہیں اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم مہر چھوڑ دو اور عورت یہ قبول کر لے' تو یہ بامعاوضہ طلاق کہلاتی ہے اور اس کا حکم خلع کا ہی ہے۔ خلع میں شوہر کا لفظ طلاق استعمال کرنا ضروری نہیں۔ اگر بیوی یہ کہے کہ میں خلع (علیحدگی) چاہتی ہوں اور جواب میں شوہر کہے کہ میں نے خلع دے دیا' تو بس خلع کا عمل مکمل ہو گیا۔ (لیکن اگر مرد کی طرف سے طے شدہ معاوضہ ادا کرنے کی شرط پر خلع ہوا تھا' تو جب تک طے شدہ معاوضہ ادا نہیں ہوتا' خلع (طلاق بائن) کا عمل مکمل نہیں ہوگا' اور عورت کی دوسری جگہ شادی بھی نہیں ہو سکے گی۔)

متذکرہ بالا آیت میں 'فَاِنْ خِفْتُمْ' کے خطاب کے حوالے سے مفسّرین کے تین گروہ ہیں۔ ایک کے قول کے مطابق یہ خطاب میاں بیوی سے ہے' نہ کہ حکام سے۔ دوسرے کے قول کے مطابق یہ خطاب میاں بیوی کے علاوہ حکام کو بھی شامل ہے۔ اگر یہ خطاب صرف حکام سے بھی تسلیم کر لیا جائے' تو اس سے ان عدالتوں اور قاضیوں کو خلع کی یک طرفہ ڈگری جاری کرنے کی کھلی چھوٹ نہیں مل جاتی' بلکہ انہیں اس کی وجوہات کو جانچنے اور زوجین کی رضا معلوم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تیسرے گروہ کے مطابق 'فَاِنْ خِفْتُمْ' کا خطاب میاں بیوی کے ساتھ دونوں خاندانوں کے بزرگ اور سنجیدہ افراد نیز حکام و قضاۃ سب کو عام ہے۔ یہاں میاں بیوی کے علاوہ دونوں خاندانوں کے بزرگ اور معزز افراد نیز حکام کو شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ زوجین کو جذبات یا وقتی اشتعال میں آ کر اپنی خانہ بربادی سے ہر ممکن طریقے سے روکیں۔ اور آخر کار اگر معاملہ بالکل سلجھ نہ پائے تو دونوں کو خلع کا ہی مشورہ دے کر اسے احسن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔[۲۷]

ہمارے معاشرے میں عدالتی فسخ نکاح (جسے عرفِ عام میں خلع کہا جاتا ہے) کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے' جبکہ یہ شرعی خلع نہیں ہے۔ شرعی خلع کی تعریف یہ ہے: ''اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ زوجین اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے' تو عورت نے علیحدگی کے لیے جو فدیہ (بدل خلع) دیا ہے (شوہر کے اسے لینے میں) تم

دونوں پر کوئی گناہ اور حرج نہیں ہے‘‘۔ (البقرۃ:۲۲۹) اس ارشادِ الٰہی کی رو سے خلع یہ ہے کہ زوجین جب اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ وہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی ازدواجی زندگی قائم نہیں رکھ سکیں گے اور شوہر بلاعوض طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے تو اس صورت میں بیوی نے نکاح کے موقع پر جو حق مہر لیا ہے‘ وہ شوہر کو واپس کر دے اور شوہر اس کے عوض اسے طلاق دے دے‘ یہ طلاق بائن ہوتی ہے۔ اس کے بعد شوہر کو عدت کے بعد بھی یک طرفہ رجوع کا حق نہیں رہتا‘ البتہ دونوں باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

عائلی عدالتوں (فیملی کورٹس) کے جج صاحبان عام طور پر شرعی حدود کی رعایت نہیں کرتے‘ بس قانونی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ہمارے مسلمان جج صاحبان کو یہ معلوم ہے کہ ثبوتِ جرم کے لیے مجرد دعویٰ کافی نہیں‘ بلکہ ہر مقدمے میں مدعی سے اس کے دعویٰ کے حق میں ثبوت مانگا جاتا ہے۔ پھر مدعا علیہ کو اپنی صفائی اور براءت کا موقع دیا جاتا ہے کہ یا تو الزامات کو تسلیم کرے‘ ورنہ اپنی براءت اور صفائی پیش کرے۔ آج کل بالعموم یہ ہوتا ہے کہ مدعی (بیوی) کی طرف سے خلع کی عدالتی کارروائی شروع ہونے پر اکثر و بیشتر مدعا علیہ (شوہر) نہ تو اصالتاً اور نہ وکالتاً عدالت میں حاضر ہوتا ہے۔ اس کو عدالت کی جانب سے رسمی طور پر سمن جاری ہو جاتا ہے‘ بیلف (عدالتی کارندہ) جاتا اور بتائے ہوئے پتے (ایڈریس) کے حوالے سے اس کے دروازے پر عدالتی نوٹس چسپاں کرآتا ہے یا پھر کسی نسبتاً غیر معروف اخبار میں اشتہار دے دیا جاتا ہے‘ عام لوگ شاید ہی ان روزمرہ کے اطلاع عام کے اشتہارات کو پڑھتے ہوں۔ اس طرح سے یا تو شوہر (مدعا علیہ) کو خبر ہی نہیں ہوتی اور یا پھر وہ حاضر نہیں ہو پاتا۔ اب گویا یک طرفہ طور پر فسخ نکاح (خلع) کی عدالتی ڈگری جاری ہو کر خلع پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ بیشتر فیصلے ’قضا علی الغائب‘ پر ہوتے ہیں۔ شریعت کا تقاضا ہے کہ جج صاحبان فسخ نکاح کو آخری اور ناگزیر امکانی صورت کے طور پر اختیار کریں۔ ان کی پہلی ترجیح زوجین میں مصالحت‘ دوسری شوہر کو رضاکارانہ طور پر طلاق پر آمادہ کرنا اور تیسری دونوں کو خلع پر آمادہ کرنا اور ان کی ڈگری جاری کرنا ہونی چاہیے۔

اس ساری صورت حال میں فیملی کورٹس کے جج صاحبان کو چاہیے کہ وہ پولیس کو اس امر کا پابند بنائیں کہ وہ مدعا علیہ کو لازماً عدالت میں پیش کرے‘ کیونکہ یہ محض دادرسی‘ حق طلبی اور مروجہ قانونی کارروائی کا مسئلہ ہی نہیں‘ بلکہ شرعی حلال و حرام کا بھی مسئلہ ہے۔ اکثر صورتوں میں مدعا علیہ ملک یا علاقے میں موجود ہوتا اور اس کا صحیح پتہ بھی فریق مخالف کے علم میں ہوتا ہے۔ استثناء صرف ان مقدمات میں معتبر ہو سکتا ہے جہاں مدعا علیہ (فریق مخالف‘ شوہر) یا تو بالکل لاپتہ ہو‘ یا کہیں بیرونِ ملک میں ہو۔

جج صاحبان کو اس بات کا بھی پابند ہونا چاہیے کہ وہ ان وجوہات کو باقاعدہ قلمبند کریں جن کی رو سے ان کے اطمینان اور پیش کردہ ثبوت و شواہد کے مطابق عورت کے لیے عملاً ممکن نہیں رہا کہ وہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے رشتہ ازدواج نباہ سکے اور اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ گویا فسخ نکاح اور خلع کے معاملات کو یکجا نہیں‘ بلکہ علیحدہ کر دینا چاہیے۔

اگر کوئی عورت خدانخواستہ اپنے دل یا نفسانی خواہشات کے ہاتھوں مجبور بغیر کسی قابلِ قبول سبب کے شوہر کے ساتھ رہنے کے لیے بالکل تیار نہیں‘ تو ایسی صورت حال میں شوہر کو چاہیے کہ وہ رضا کارانہ طور پر خلع کے لیے آمادہ ہو جائے یا یک طرفہ طور پر اسے طلاق دے دے‘ اس پر وہ عند اللہ اجر کا حق دار ہو گا اور عورت گناہ اور فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچ جائے گی۔ اگر شوہر بذات خود اس پر آمادہ نہ ہو رہا ہو‘ تو پھر عدالت مناسب دباؤ ڈال کر (جس میں اس حوالے سے حتمی حکم بھی آجاتا ہے) شوہر سے طلاق دلوائے۔ دراصل امرأۃ ناشزۃ (نافرمان عورت) اور زوج متعنّت (اذیت رساں مرد) دونوں ہی معاشرے کے ناسور اور عائلی زندگی کی بربادی کے ذمہ دار ہیں۔ چونکہ یہ مرد کا معاشرہ ہے اس لیے بعض اوقات مظلوم و مجبور عورت کے احوال سن کر بھی دلی دکھ ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھی مذہبی حدود کے اندر رہتے ہوئے (توسع کی بنیاد پر) جامع قانونی مسودہ مرتب کرنا چاہیے‘ (جس کی بنیاد پر باقاعدہ قانون سازی ہو اور اس معاشرتی فساد کا ممکنہ حد تک علاج ہو سکے۔ راقم) (۲۸)

حواشی

(۱) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الطلاق‘ باب کراھیۃ الطلاق۔

(۲) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الطلاق‘ باب فی طلاق السنۃ۔

(۳) معاشرتی مسائل از مولانا محمد برہان الدین سنبھلی‘ ص ۱۴۶ تا ۱۵۳‘ طبع ۱۹۸۵ء المکتبۃ الاشرفیہ‘ فیروز پور روڈ لاہور

(۴) کتاب النکاح و کتاب الطلاق از علامہ ابن رشد‘ مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی‘ ب ۲‘ ص ۱۱۵‘ طبع ۲۰۱۴ء اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ‘ لاہور

(۵) سُنَن ابن ماجہ‘ کتاب النکاح‘ باب اَلْمُحَلِّلِ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ

(۶) آپ کے مسائل اور ان کا حل از حضرت محمد یوسف لدھیانوی‘ ج ۵‘ ص ۲۲۷ تا ۲۳۳‘ طبع ۱۹۹۸ء مکتبہ لدھیانوی‘ بنوری ٹاؤن‘ کراچی

(۷) معاشرتی مسائل از مولانا محمد برہان الدین سنبھلی‘ ص ۱۵۳ تا ۱۵۸‘ طبع ۱۹۸۵ء المکتبۃ الاشرفیہ‘ فیروز پور روڈ لاہور

(۸) کتاب النکاح و کتاب الطلاق از علامہ ابن رشد‘ مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی‘ ص ۱۲۵ تا ۱۲۶‘ طبع ۲۰۱۴ء‘ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ‘ منصورہ‘ لاہور

(۹) خلع اور فسخ نکاح از علامہ مفتی منیب الرحمٰن‘ ماہنامہ نور الحبیب‘ ص ۳۴ تا ۳۵‘ جولائی ۲۰۱۹ء‘ بصیر پور‘ پنجاب

(۱۰) المعجم الاوسط‘ ج ۶‘ ص ۲۰‘ ح ۷۸۴۸۔ ومجمع الزوائد‘ باب فمن یکفر الطلاق۔

(۱۱) المبسوط للسرخسی‘ کتاب الطلاق‘ ج ۲‘ ص ۶۔

(۱۲) سنن الترمذی‘ کتاب الطلاق واللعان‘ باب ما جاء فی المختلعات

(۱۳) سنن الترمذی‘ کتاب الطلاق واللعان‘ باب ما جاء فی المختلعات۔

(۱۴) المبسوط للسرخسی‘ کتاب الطلاق‘ ج ۲‘ ص ۶۔

(۱۵) اخرجہ الطبری فی تفسیرہ (۱۳۸/۴) واخرجہ بنحوہ البخاری فی صحیحہ‘ انظر: صحیح البخاری مع

الفتح (۹/۳۰۶)۔
(۱۶) ضعیف ابن ماجہ للالبانی‘ ح:۳۹۹۔ عمدۃ التفسیر لاحمد شاکر (۲۸۰/۱)
(۱۷) فتح الباری‘ کتاب الطلاق‘ باب ۱۲۔ اخرج عبدالرزاق عن معمر۔
(۱۸) اسلام میں کفر کے خوف سے مراد یہ ہے کہ کراہت ونفرت کے باوجود اگر میں اس کے ساتھ رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان احکام کی پابند نہ رہ سکوں گی جو شوہر کی اطاعت‘ اس کی وفاداری اور عصمت وعفت کے تحفظ کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لازم ٹھہرائے ہیں۔ یہ ایک مؤمنہ کا تصور ہے کہ وہ حدود اللہ کے توڑنے کو کفر سمجھتی ہے۔
(۱۹) صحیح البخاری‘ کتاب الطلاق‘ باب الخلع و کیف الطلاق فیہ۔
(۲۰) سنن ابی داوٗد‘ ح:۲۲۲۷۔ صحیح ابن حبان‘ ح:۴۲۸۰۔
(۲۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح‘ کتاب النکاح‘ باب الخلع و الطلاق۔
(۲۲) سنن الکبریٰ للبیھقی‘ ج۷‘ کتاب القسم والنشوز‘ باب الحکمین فی الشقاق بین الزوجین۔
(۲۳) بحوالہ مجلّہ اہلِ حدیث‘ اگست ۲۰۱۷ء فتنہ غامدیت از حافظ صلاح الدین یوسفؒ۔
(۲۴) تفسیر ابن کثیر (مترجم) ج۱‘ سورۃ البقرۃ‘ ۳۲۲ تا ۳۲۵‘ طبع دوم ۱۹۸۸ء مکتبہ تعمیر انسانیت‘ لاہور۔
(۲۵) حوالہ گزر چکا ہے۔
(۲۶) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی‘ مترجم مولانا عبدالدائم جلالی‘ ج۱‘ سورۃ البقرۃ‘ آیت ۲۲۹‘ ص ۵۰۴ تا ۵۱۰‘ طبع اول ۱۹۶۲ء ندوۃ المصنفین‘ اردو بازار‘ دہلی‘ انڈیا۔
(۲۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل از مولانا محمد یوسف لدھیانوی‘ ج۵‘ ص ۳۸۹ تا ۳۹۳‘ ۴۳۶ تا ۴۳۸‘ طبع ۱۹۹۸ء مکتبہ لدھیانوی‘ بنوری ٹاؤن‘ کراچی۔
(۲۸) خلع اور فسخ نکاح از علامہ مفتی منیب الرحمٰن‘ ماہنامہ نور الحبیب‘ ص ۳۱ تا ۳۵‘ جولائی ۲۰۱۹ء بصیر پور (پنجاب)۔

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے
اشاعتِ عام: 35 روپے

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah Al-An'am

(The Cattle)

(Recap of verses 71 – 90 of Surah Al-An'am and fresh exposition of verses 91 – 110 of the same Surah, inclusive)

Translator's note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most o general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum order to prevent the misrepresentation of meanings, which occur when the verses are broken up and the translation of t verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Sah International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the u modern English Language, which we believe will give a m accomplished sense of understanding to Today's mind.

Recap of verses 71 – 90 (inclusive) of Surah 6, Al-An'am

This section of verses of Surah al-An'am (Verses 71 – 90) starts by explaining that those who worship idols and take deities besides Allah *(SWT)* are like such people whom Satan has seduced and bewildered on the earth; although they had righteous companions, who invite them towards the true guidance (The Deen of Islam). Yet they do not accept their invitation towards the Truth (The Deen of Islam). They have been so influenced by Satan that they are deprived of recognizing their own interests in this world and in the Hereafter and the difference between Truth and Falsehood. Muslims are then enjoined to 'establish' prayer and avoid committing sins declared to be such by Allah *(SWT)* so that they do not face His *(SWT)* wrath and punishment in this world and more importantly on the Day of Judgement.

This section of verses also asserts that Allah *(SWT)* created the heavens and the earth 'In Truth'. Moreover, it is declared that it is impossible for us to grasp the manner in which the Trumpet will be blown when the Hour arrives. What we do know through the Qur'an is that on the Day of Judgement the Trumpet will be blown on Allah's *(SWT)* command, whereupon all creation will die. Then after an indefinite period of time – a period that is known to Allah *(SWT)* alone – the second Trumpet will be blown, whereupon all the people of all epochs will be resurrected and will find themselves on the Plane of the Congregation.

This section of verses (Verses 71 – 90) elaborates in detail the incidents relating to Prophet Abraham *(AS)*. It suffices to say that all the Prophets *(AS)* were opposed by their *(AS)* own people throughout the history. Those who deviated from the path of Prophets *(AS)* were lost in error. Prophet Abraham *(AS)* was generally acknowledged by the Arabs to be their patriarch and their original religious leader. The Quraysh, in particular, were proud of their devotion to Prophet Abraham *(AS)*, of being his *(AS)* progeny and of being servants to the shrine (Kaaba) built by him *(AS)*. Hence, the mention of Prophet Abraham's *(AS)* doctrine of monotheism, of his *(AS)* denunciation of polytheism and his *(AS)* remonstration with

his polytheistic people, amounted to demolishing the very basis on which the Quraysh had prided themselves. It also amounted to destroying the confidence of the people of Arabia in their polytheistic religion. This also proved to them that the Muslims who had accepted the call towards the Truth delivered by Prophet Muhammad *(SAAW)*, in fact, stood in the shoes of Prophet Abraham *(AS)*. The verses detail the method by which Prophet Abraham *(AS)* denounced the idol worshipers of his *(AS)* time. This section of verses (Verses 71 – 90) also informs us that Prophet Abraham *(AS)* was strongly opposed to polytheism. But to strengthen his *(AS)* insight and so that he *(AS)* might attain sublime certainty, he *(AS)* was informed of the profundity laws working behind the system and was shown the wonders of the heaven and the earth. The adversaries also saw Allah's *(SWT)* signs in the phenomena of the universe, just as Prophet Abraham *(AS)* could. The difference is that they could not see those signs through the prism of Faith and Truth, as if they were blind, whereas Prophet Abraham *(AS)* saw with open eyes. The sun, moon and stars which rose and set before their eyes day after day and night after night, witnessed the disbelievers as misguided at their setting as at their rising. Polytheism did not consist merely of a set of religious beliefs and polytheistic rites; it rather provided the foundation on which the entire order of economic, cultural, political and social life rested during the times of Prophet Abraham *(AS)*. Hence, as soon as Prophet Abraham *(AS)* launched his *(AS)* mission, ordinary people as well as the privileged classes, ordinary devotees as well as Nimrud, all rose at once to oppose and suppress it. The verses 76 through 78 of this section of verses (Verses 71 – 90) provide testimony that Prophet Abraham *(AS)* temporarily called the star, moon, and the sun "my lord" once those remained visible during their natural course of revolution. He *(AS)* immediately denounced each, on their disappearance and told his *(AS)* people that "I like not those that set." In fact, showing condescension to his *(AS)* people and without showing any religious prejudice against the belief of his *(AS)* people, Prophet Abraham *(AS)* encouraged the disbelievers to contemplate and to approach the truth in the light of facts brought to their knowledge about the false

gods. In a nutshell, Prophet Abraham *(AS)* told them that whoever takes the heavenly objects as his gods is among the ones who have gone astray, and save the Grace and Mercy of Allah *(SWT)* there is no guide to the truth. Verse 79 of this Surah elaborates that Prophet Abraham *(AS)* believed in Allah *(SWT)* alone, the Creator *(SWT)* of the heavens and the earth and Allah *(SWT)* specifies for heavenly bodies their way and appoints the times of their risings and settings. Hence the verse quotes Prophet Abraham's *(AS)* declaration that, I (Abraham *AS*) have turned myself *(AS)* wholly to His *(SWT)* Lordship *(SWT)* sincerely, and I (Abraham *AS*) am not one of the polytheists. We must, therefore, regard as unfitting the opinion of those exegetes who try to explain this verse on the assumption that the people of Prophet Abraham *(AS)* either denied or were unaware of the existence of God altogether, and considered their own deities to be the exclusive possessors of godhead.

The verses in this section (Verses 71 – 90) also clarify that only those are fully secure and rightly-guided who believe in Allah *(SWT)* and do not mix their faith with any polytheistic belief and practice. While in verse 81, this question was referred to indicating whether the monotheists are secured from the punishment of Allah *(SWT)*. Verse 82, in answer to that question, declares that those are more secured from the punishment of Allah *(SWT)* who have recognized Him *(SWT)* and testified to being totally subservient to Him *(SWT)*, whom we call 'Believers' and 'Muslims', and they are the ones for whom Allah *(SWT)* has issued the decree of 'those who have found salvation'. This is followed by the mention of the lofty degree bestowed on Prophet Abraham *(AS)* by Allah *(SWT)*. Furthermore, in order that there comes forth no mistake and a person does not erroneously thinks that Allah *(SWT)* discriminates unjustly in this raising up in degrees; it is declared that He *(SWT)* is aware of the degrees that He *(SWT)* gives, as He *(SWT)* is the Omniscient and Omnipotent. It is imperative for us to understand that the degrees (of loftiness) are all according to Divine Will and given Wisely by Allah *(SWT)*.

In the verses that follow, Allah *(SWT)* mentions the favour on Prophet Abraham *(AS)* of bestowing righteous issues, such as

Prophets Ishaq *(AS)* and Yaqoub (AS). Next to this meaning, in order that nobody imagines that there had not been any advocator (Prophets *AS*) for monotheism during the periods before Prophet Abraham *(AS)*, and that this matter begun with the Prophethood of Abraham *(AS)*, the verse continues by elucidating that the same message of monotheism had been delivered by Prophet Noah *(AS)*, who is one of Prophet Abraham's *(AS)* ancestors. Furthermore, the verse mentions a group of the Prophets *(AS)* of Allah *(SWT)* who were from among the descendants of Prophet Abraham *(AS)* and his *(AS)* off springs, thus expounding the lofty position and rank of Prophet Abraham *(AS)* from the viewpoint of 'heritage and nobility', 'lineage' and 'the fruit' of his *(AS)* personality. These verses mention several (but not all) Prophets *(AS)* who were from the seed of Prophet Abraham *(AS)*, including the Prophets Dawud *(AS)*, Suleiman *(AS)*, Yaqoub *(AS)*, Yusuf *(AS)*, Musa *(AS)*, Haroon *(AS)*, Zakariya *(AS)*, Yahya *(AS)*, Esa *(AS)*, Elias *(AS)*, Ismail *(AS)*, Elyasa *(AS)*, Yunus *(AS)* and Lut *(AS)*. Thus, the Qur'an makes it clear that their lofty rank and esteemed position existed as a result of Allah's *(SWT)* Will and their *(AS)* own righteous deeds. The verses also declare that as far as the disbelievers and polytheists are concerned, even the 'good worldly deeds' that they did would be of no avail to them in the Hereafter because they did not shun disbelief and polytheism.

The last few verses in this section (Verses 70 – 91) introduce the mission of the Prophets *(AS)*, which is, to spread the guidance bestowed upon them by Allah *(SWT)* and declare that their guidance from Allah *(SWT)* is a shining example to emulate. The verses then command the Holy Prophet *(SAAW)* to tell the disbelievers that he *(SAAW)* is the most exalted example of guidance for all. The implication is that the principles of the invitation of all divine Prophets *(AS)* are the same, although the latter religions are more complete than the former religions. Finally, the Messenger *(SAAW)* of Allah *(SWT)* is ordered to tell people that he *(SAAW)* asks them no wage for his *(SAAW)* Messenger-ship, just like the former messengers *(AS)* did not ask such a thing. Moreover, it follows rationally that the Qur'an and the Messenger-ship of Muhammad *(SAAW)* is a warning

and a reminder to all people throughout the world in all ages, until the Hour is established.

Exposition of verses 91 - 110 of Surah Al-An'am

Verse 91

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ
بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ
وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝

"And they did not appraise Allah with true appraisal when they said, "Allah did not reveal to a human being anything." Say, "Who revealed the Scripture that Moses brought as light and guidance to the people? You [Jews] make it into pages, disclosing [some of] it and concealing much. And you were taught that which you knew not – neither you nor your fathers." Say, "Allah [revealed it]." Then leave them in their [empty] discourse, amusing themselves."

The verse starts by referring to those Jews who denied the inspiration of Prophet Muhammad *(SAAW)* and thus made these absurd remarks because they did not recognize the power of Allah *(SWT)* as it is His *(SWT)* right to be recognized, otherwise they would have never said such a thing, which is contrary to their own religion. In the light of the foregoing discussion and commentary, it is quite evident that this statement comes from the Jews. Since the Prophet *(SAAW)* had asserted that he *(SAAW)* was a Prophet *(SAAW)* and that a Book had been revealed to him *(SAAW)*, the unbelieving Quraysh and other polytheists of Arabia naturally used to approach the Jews and the Christians – who believed in the Prophets *(AS)* and in the Scriptures – and tried to solicit a candid answer from them as to whether 'God's Word' had indeed been revealed to Muhammad *(SAAW)*. Whatever answer they gave was then disseminated on all sides by the active opponents of the Prophet *(SAAW)* in order to create revulsion against Islam. This is the reason for mentioning, and then refuting, this statement by the Jews, which had been used by the opposition as an

argument against Islam. One might wonder how a Jew, who believes in the Torah as a revealed Book of Allah *(SWT)*, could say that Allah *(SWT)* had revealed nothing to anyone. At times blind obstinacy and bigotry cause people to resort to arguments which strike at the roots of their own belief. These people were bent upon denying the Prophethood of Muhammad *(SAAW)*, and this fanaticism had come to dominate them so much that they went so far as to deny the very institution of Prophethood. To say that people have not formed any proper estimate of Allah *(SWT)* means that they have erred grossly in assessing His *(SWT)* wisdom and power. Allah *(SWT)* commands His Prophet *(SAAW)* to declare to the Jews that if what you say is true that Allah *(SWT)* did not reveal any Book to any human being then who revealed the Torah to Prophet Moses *(AS)*, which you believe in as a true guidance for people and which you copied in different sheets in order to disclose or conceal anything according to your own desires. Now they are being taught through this Qur'an knowledge which neither they nor their fathers knew about. The revelation of the Torah to Moses *(AS)* is adduced by way of evidence since the Jews, to whom this response is addressed, believed that it had been revealed. It is obvious that their recognition of the Torah as the Book revealed to Moses *(AS)* negated their standpoint that Allah *(SWT)* had never revealed anything to any human being. Their belief in the Torah at least proved that revelation to man is possible, and had actually taken place. Allah *(SWT)* then commands His Messenger *(SAAW)* to give them the answer to their question as to who sent this Qur'an and the previous Scriptures, and say that it is Allah *(SWT)* who sent all divine revelations. The verse ends with the assertion that the Prophet *(SAAW)* let them wander in their ignorance and misguidance until the Day when their scores will be settled (The Day of Judgement).

Verse 92

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَاؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۝

"And this is a Book which We have sent down, blessed and confirming what was before it, that you may warn the Mother of

Cities [i.e., Makkah] and those around it. Those who believe in the Hereafter believe in it, and they are maintaining their prayers."

Allah *(SWT)* revealed this blessed Qur'an unto His *(SWT)* Prophet Muhammad *(SAAW)* as He *(SWT)* sent Scriptures to Prophets *(AS)* before him *(SAAW)*, and this Qur'an confirms what was revealed in them. This Qur'an has been termed as a *Mubaarak* (blessed) book for all of mankind. The Arabic word *Mubaarak* comes from the root word *Barakah*, which means to bring good out of something, just like the rain, which pours down from the sky as a blessing to bring out the treasures already hidden in the earth. Similarly, Allah *(SWT)* has revealed this Qur'an as a blessing for all mankind to bring out the good from within their souls. In this verse, the Holy city of Makkah has been called *Umm Al-Qura*, which means the root or foundation of all towns. The verse makes reference to the fact that Allah *(SWT)* sent this Qur'an to warn the people of Makkah particularly, and then to the whole world generally. The verse also alludes to the fact that those who believe in Allah *(SWT)* and the Last Day, and also believe in this glorious Qur'an are on the right path. This is an admonition particularly to the Jews and the idolaters, that they will only be guided further in their faith if they believe in this Book (The Quran). The point argued in the previous verse was that Allah's *(SWT)* Word can be, and in the past has been, revealed to human beings. The next point is that the message of Prophet Muhammad *(SAAW)* is indeed the revealed Word of Allah *(SWT)*. In order to establish this, four things are adduced as evidence: First, this Book is overflowing with Allah's *(SWT)* grace and beneficence. In other words, it contains the best possible principles for the well-being and salvation of mankind. It lays down the true doctrines of belief. It urges man to righteous conduct and inspires him to moral excellence. It contains guidance as to how one may live a life of purity. And above all, it is free from any trace of the ignorance, egocentricity, narrow-mindedness, iniquity, obscenity and other corruptions with which the Jews and the Christians had overlaid their revealed Scriptures. Second, this Book does not propound any guidance which is essentially divergent from that previously revealed; rather it confirms and

supports it. Third, the purpose of the revelation of this Book is the same as that of the revelation of Scriptures in the past, viz., to shake people out of their heedlessness and warn them of the evil consequences of their corruption. Fourth, the call of this Book did not attract those who merely worshipped worldly advantages and were slaves of their animal desires. On the contrary, it attracted those whose vision goes beyond the narrow limits of worldly life. Moreover, the revolution brought in the lives of people under the influence of this Book has rendered them conspicuously distinct from others in respect of piety and godliness. A Book with such characteristics and with such a wholesome impact on human beings can only be from Allah *(SWT)*.

Verse 93

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا
أَنْزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ۝

"And who is more unjust than one who invents a lie about Allah or says, "It has been inspired to me," while nothing has been inspired to him, and one who says, "I will reveal [something] like what Allah revealed." And if you could but see when the wrongdoers are in the overwhelming pangs of death while the angels extend their hands, [saying], "Discharge your souls! Today you will be awarded the punishment of [extreme] humiliation for what you used to say against Allah other than the truth and [that] you were, toward His verses, being arrogant."

The verse starts by declaring that the most unjust person in the sight of Allah *(SWT)* is the one who lies about Him *(SWT)* and falsely claims that he has received revelation from Him *(SWT)* i.e. he has been sent as a prophet and claims that he can reveal something similar to what Allah *(SWT)* has revealed. The verse describes the condition of these unjust people at the time of death and on the Day of Resurrection. At the time when death approaches any of them and he suffers from the afflictions and agonies of death, the angels will beat him and grab his soul from out of his body and will convey him the news of severe

torment and punishment that he will suffer because of the lies he used to utter against Allah *(SWT)* and the refusal to follow His *(SWT)* Messengers *(AS)*.

Verse 94

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ
شُفَعَآءَكُمُ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

"[It will be said to them], "And you have certainly come to Us alone [i.e., individually] as We created you the first time, and you have left whatever We bestowed upon you behind you. And We do not see with you your 'intercessors' which you claimed that they were among you associates [of Allah]. It has [all] been severed between you, and lost from you is what you used to claim."

The verse elucidates that every single soul will be resurrected on the Day of Resurrection as he was created in the first place i.e. without the wealth and money that he used to collect in his limited life in the world, for then, the only thing that will matter for the son of Adam *(AS)* will be the good deeds that he has sent forth for himself. Likewise, the disbelievers will not find any helper or protector that they used to invoke and worship other than Allah *(SWT)*. Then it will be said to them that all your bonds and ties in relation to the world have been cut off and all your false ideas and assumptions about the false saviours and intercessors have failed you.

Verse 95

إِنَّ ٱللَّهَ فَالِقُ ٱلْحَبِّ وَٱلنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ ٱلْمَيِّتِ مِنَ ٱلْحَىِّ ۚ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝

"Indeed, Allah is the cleaver of grain and date seeds. He brings the living out of the dead and brings the dead out of the living. That is Allah; so how are you deluded?"

This verse describes some of the signs through which every sensible person can recognize the power and knowledge of Allah *(SWT)*. It states that it is only Allah *(SWT)* who splits the seed grain and a fruit-stone e.g. a date-stone, then brings out from it a plant that

eventually grows into a full green tree. In a nutshell, the One *(SWT)* who causes the seed-grain to split open under the surface of the earth and then makes it grow and appear on the surface as a plant is no other than Allah *(SWT)*. Allah *(SWT)* causes a living to grow from dead, e.g., He *(SWT)* creates a human being from a lifeless cell and brings forth a live tree from a lifeless seed-grain. Similarly, He *(SWT)* brings dead from the living, e.g., a cell or egg which is brought forth from the living. In simple words, to 'bring forth the living from the dead' means creating living beings out of dead matter. Likewise, 'to bring out the dead from the living' means to remove the lifeless elements from a living organism. The verse concludes by declaring that all these things are done by Allah *(SWT)* alone, yet the disbelievers stray away from the truth and have associated partners with Him *(SWT)*.

Verse 96

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾

"[He is] the cleaver of daybreak and has made the night for rest and the sun and moon for calculation. That is the determination of the Exalted in Might, the Knowing."

Allah *(SWT)* has created the Day and the Night, the Light and the Darkness, all for a particular cause. He *(SWT)* tears the dark layer of the night and brings the morning out. Similarly, He *(SWT)* covers the day with darkness to bring the night, a time of comfort and peace for every living being. Moreover, Allah *(SWT)* has appointed the sun and the moon in a particular measure as a blessing for His *(SWT)* servants, through which they can easily calculate the years and months according to the solar or lunar calendars. All this is done by none other than Allah *(SWT)*, Who *(SWT)* has the knowledge of everything and He *(SWT)* does whatever He *(SWT)* Wills.

Verse 97

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾

"And it is He who placed for you the stars that you may be guided by them through the darknesses of the land and sea. We have

detailed the signs for a people who know."

Allah *(SWT)* has made His *(SWT)* signs and revelations clear and simple for the mankind to observe and recognize the truth that it is only He *(SWT)* Who *(SWT)* is the Creator *(SWT)* of the stars and the galaxies that we see around us. They bring a lot of benefit for us, e.g., we use their help in finding the right course when traveling in the darkness of the nights, whether in the sea or on the land. It is worth noting that by 'signs' are meant all that support the proposition that there is only one Allah *(SWT)*, that is, no one has either the attributes of Allah *(SWT)* or any share in His *(SWT)* authority or can rightfully claim any of the rights which belong exclusively to Him *(SWT)*. But the ignorant cannot benefit from these signs, which are scattered all around, in order to arrive at an understanding of the Truth. Only those who observe the phenomena of the universe in a careful and systematic manner, and do so with a correct perspective, can truly benefit from these signs.

Verse 98

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ؁

"And it is He who produced you from one soul and [gave you] a place of dwelling and of storage. We have detailed the signs for a people who understand."

Allah *(SWT)* has created man from a single soul, the Prophet Adam *(AS)*. The Arabic word *Mustaqar* means a place of for rest and peace, while the word *Mustawda* means to keep something with someone temporarily or a place where something is placed for a few days. There are different opinions as to what really is meant by the place of residing and the place of storage. Some exegetes say that *Mustawda* is the womb of the mother and *Mustaqar* is this earth, while others say that *Mustawda* is the grave and *Mustaqar* is the Hereafter.

If one were to observe carefully the creation of the human species, its division into male and female, the proliferation of the human race

by procreation, the passing of life through its several stages in the womb of the mother from conception to childbirth, one would perceive innumerable signs to help one grasp the truth mentioned above. But only those who make proper use of their intellect can be led by means of these signs to an understanding of Reality. Those who live like animals, who are concerned merely with the satisfaction of their lusts and desires, can perceive nothing significant in these phenomena. Therefore, the verse concludes by enunciating that human beings ought to open their eyes and understand Allah's *(SWT)* revelations which He *(SWT)* has explained very clearly and in simple terms.

<u>Verse 99</u>

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا
مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ
مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

"And it is He who sends down rain from the sky, and We produce thereby the growth of all things. We produce from it greenery from which We produce grains arranged in layers. And from the palm trees – of its emerging fruit are clusters hanging low. And [We produce] gardens of grapevines and olives and pomegranates, similar yet varied. Look at [each of] its fruit when it yields and [at] its ripening. Indeed in that are signs for a people who believe."

Allah *(SWT)* sends down rain as a blessing and provision for His *(SWT)* servants, with which He *(SWT)* produces different kinds of vegetation, plants, trees and gardens on the land as a means of survival for His *(SWT)* creatures. Likewise, it is He *(SWT)* Who *(SWT)* grows different varieties of seeds and precious fruits like grapes and dates hanging in clusters and within reach. All these are signs for those who have sound minds, for they are compelled to concede that the Causer *(SWT)* and the Creator *(SWT)* of all these things is not a human being or any other 'deity'. Instead it is only Allah *(SWT)* Who *(SWT)* is the Originator *(SWT)* and Sustainer *(SWT)* of all that is in the heavens and in the earth *(and whatever is in between)*.

Verse 100

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

"But they have attributed to Allah partners – the jinn, while He has created them – and have fabricated for Him sons and daughters. Exalted is He and high above what they describe."

The point elaborated in this verse is that it is Allah *(SWT)* who has created everything, even the invisible beings like *Jinns*, yet some people associate these very *Jinns* as partners with Him *(SWT)* and worship them, despite the fact that only Allah *(SWT)* is worthy of worship. Because of man's imaginativeness and superstitious disposition, he has often held other invisible beings to be associated with Allah *(SWT)* in His *(SWT)* governance of the universe and in making and marring man's destiny. For example, the deity of rain, and the deity of vegetation, the god of wealth and the god of health, and so on. Such beliefs are found among all the polytheistic nations of the world.

Furthermore, the verse censures those who falsely attribute sons and daughters to Allah *(SWT)*, such as the Christians did with Jesus *(AS)*, some Jews with Ezra *(AS)* and the Pagan Arabs with the Angels *(AS)* whom they claimed to be Allah's *(SWT)* daughters. The verse concludes by declaring that Allah *(SWT)* is far above and Holier *(SWT)* than what these idolaters falsely ascribe unto Him *(SWT)*.

Verse 101

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"[He is] Originator of the heavens and the earth. How could He have a son when He does not have a companion [i.e., wife] and He created all things? And He is, of all things, Knowing."

After declaring in the beginning of the verse that Allah *(SWT)* is the Originator *(Who Creates from Nothingness) (SWT)* of the heavens and the earth (and whatever is in between), a severe an admonishment is

given to the idolaters who falsely attribute sons and daughters to Allah *(SWT)*. In other words, this verse reasons that how can Allah *(SWT)* have a wife from His *(SWT)* creation when there is none like Him *(SWT)* or equal to Him *(SWT)*, therefore, when He *(SWT)* cannot have a wife, how can He *(SWT)* have a child? In reality He *(SWT)* alone is the Creator *(SWT)* of everything that exists and He *(SWT)* has the knowledge of everything.

Verse 102

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝

"That is Allah, your Lord; there is no deity except Him, the Creator of all things, so worship Him. And He is Disposer of all things."

The verse affirms that all things have been created by Allah *(SWT)* alone, yet the disbelievers stray away from the truth and associate partners with Him *(SWT)*. But the reality is that there is none worthy of worship besides Him *(SWT)*, therefore, all human beings ought to worship Him *(SWT)* alone. The verse concludes by asserting that Allah *(SWT)* is the Guardian over everything and the Disposer of all affairs.

Verse 103

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

"Vision perceives Him not, but He perceives [all] vision; and He is the Subtle, the Acquainted."

The verse states unequivocally that no eye in the whole universe can encompass His *(SWT)* Being *(SWT)* in this life, while it is our belief that Allah *(SWT)* will be seen on the Day of Resurrection by His *(SWT)* believing servants. On the other hand, Allah's *(SWT)* vision encompasses the whole universe, for not even the minutest particle is hidden from Him *(SWT)*. The verse ends by asserting that Allah *(SWT)* is above all (physical) comprehension and well aware of everything.

Verse 104

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝

"There has come to you enlightenment from your Lord. So whoever will see does so for [the benefit of] his soul (self), and whoever is blind [does harm] against it (self). And [say], "I am not a guardian over you."

This verse elucidates that the evidences and the sources through which one can acquire The Truth have already been revealed to mankind from Allah *(SWT)*. Therefore, whoever uses these means to find The Truth becomes blessed (as a believer) for his own good, while those who ignore these means and elect to remain blind from The Truth will be the losers (as disbelievers, infidels, polytheists and hell-bound).

Even though this statement is from Allah *(SWT)*, it is expressed through the mouth of the Holy Prophet *(SAAW)*. We observe that in the Qur'an the 'person of speech' with reference to linguistics frequently changes – sometimes it is Allah *(SWT)* Who *(SWT)* is speaking, sometimes it is the angel *(AS)* who carries the revelation, and sometimes a group of angels *(AS)*; on some occasions it is the Holy Prophet *(SAAW)* who is speaking, while on others it is the men of faith. Likewise, those addressed by the Qur'an also change – sometimes it is the Prophet *(SAAW)*; sometimes it is the men of faith; sometimes it is the People of the Book; sometimes it is the unbelievers and the polytheists; sometimes it is the Quraysh; sometimes it is the Arabs; and sometimes, mankind as a whole. Regardless of these changes, however, the content of the message always remains the same – it consists of Allah's *(SWT)* Word and Guidance to mankind.

In conclusion, the verse proclaims that the Holy Prophet *(SAAW)* is not responsible for anyone's deeds, instead he *(SAAW)* has only been sent to convey Allah's *(SWT)* message to mankind. This signifies that the task of the Holy Prophet *(SAAW)* is confined to carrying the light of true guidance to others, it is then up to them either to use it to perceive Reality for themselves or to keep their eyes closed. The Prophet *(SAAW)* is not required to compel those who deliberately keep their eyes shut, to open them, forcing them to see what they do not wish to see.

Verses 105

وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيٰتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾

"And thus do We diversify the verses so they [i.e., the disbelievers] will say, "You have studied," and so We may make it [i.e., the Quran] clear for a people who know."

The verse commences by elucidating that Allah *(SWT)* has expounded His *(SWT)* revelations and presented His *(SWT)* signs in various ways so that the concepts of *Tawhid* (Oneness of Allah *SWT*) and the Prophethood of Muhammad *(SAAW)* are made extremely clear and simple for people to comprehend. Yet the idolaters and disbelievers who are bent on denying The Truth say that this Qur'an is not from Allah *(SWT)*, instead they invented a falsehood by stating that Muhammad *(SAAW)* had 'learned' this (Qur'an) from the People of the Book (Jews and Christians) and others who had being given revelation before them.

The import of the statement is that the Book of Allah *(SWT)* has become a touchstone, which helps mark off the true from the false. These include the sort of people who, once they have come to know the teachings of the Book of Allah *(SWT)*, try in earnest to reflect on its substance and seek to benefit from the wisdom and admonition it contains. The verse, hence, concludes by stating the fact that Allah *(SWT)* has presented His *(SWT)* signs in various forms and only those who are sensible and wise are able to grasp the matter, as Allah *(SWT)* Wills.

Verse 106

اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٦﴾

"Follow, [O Muhammad], what has been revealed to you from your Lord – there is no deity except Him – and turn away from those who associate others with Allah."

In this verse Allah *(SWT)* commands His *(SWT)* Prophet *(SAAW)* to keep following what has been revealed to him *(SAAW)* and continue to preach Allah's *(SWT)* message, i.e., 'There is none worthy of worship except Allah *(SWT)*'. Furthermore, He *(SWT)* instructs His

(SWT) Messenger *(SAAW)* not to be too concerned about the idolaters and disbelievers who deny him *(SAAW)*.

Verse 107

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

"But if Allah had willed, they would not have associated. And We have not appointed you over them as a guardian, nor are you a manager over them."

This verse tells the Holy Prophet *(SAAW)* not to grieve over the fact that the idolaters and the disbelievers do not accept his *(SAAW)* call and states that had Allah *(SWT)* Willed, He *(SWT)* would have made the whole humanity as Muslims in faith and then they would never had associated any partners with Him *(SWT)*. But He *(SWT)* has given the freedom of choice to man to distinguish between right and wrong and for those among humans (and *Jinns*) who reject that what is right, He *(SWT)* has decreed the tormenting punishment of the Hellfire. In a nutshell, the verse emphasizes that Prophet (SAAW) is only required to preach the Truth and try to call people to embrace it. His *(SAAW)* responsibility ends at that for he *(SAAW)* is, after all, not their warden. His *(SAAW)* task is to present this guidance and spare no effort in elucidating the Truth. Anyone who still rejects it does so on his own responsibility.

Verse 108

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"And do not insult those they invoke other than Allah, lest they insult Allah in enmity without knowledge. Thus We have made pleasing to every community their deeds. Then to their Lord is their return, and He will inform them about what they used to do."

Although idolatry has been sternly condemned throughout the Qur'an, yet making any insulting statements against the false objects worshipped by the disbelievers has been discouraged in order that

the infidels may not, as a reaction, start insulting Allah *(SWT)* wrongfully without knowledge. In this verse, it is elaborated that Allah *(SWT)* makes the evil deeds of these idolaters seem good (fair) to them because they think in their self-obsession that their own ideas are right, just like He *(SWT)* made fair seeming to the previous nations the idolatry and misguidance they indulged in. Here we should bear in mind that Allah *(SWT)* declares those things which take place as a result of the operation of the laws of nature to be His *(SWT)* own acts, for it is He *(SWT)* Who *(SWT)* has made those laws. Whatever results from the operation of those laws, therefore, results from His *(SWT)* command. Whenever Allah *(SWT)* states that a certain act was His *(SWT)*, the same might be described by humans as occurring in the natural course of things. The verse concludes by enunciating that it will be on the Day of Resurrection that He *(SWT)* will certainly show them all their evil deeds that they used to indulge in this earthly life.

Verse 109

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا
إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

"And they swear by Allah (with) their strongest oaths that if a sign came to them, they would surely believe in it. Say, "The signs are only with [i.e., from] Allah." And what will make you perceive that even if it [i.e., a sign] came, they would not believe."

The chieftains of Quraysh used to demand to the Holy Prophet *(SAAW)* that they be shown a miracle, for then they would accept that he *(SAAW)* is a Messenger *(SAAW)* of Allah *(SWT)* and that they would embrace Islam. The verse tells us that Allah's *(SWT)* reply to them is that all signs and miracles are in the power of Allah *(SWT)* alone. If He *(SWT)* Wills, He *(SWT)* can show them the miracles, yet the fact of the matter is that the disbelievers only ask for signs and miracles in their defiance and stubbornness and not out of any desire for guidance, because they already know that Muhammad *(SAAW)* is Allah's *(SWT)* Messenger *(SAAW)* and what the Holy Prophet *(SAAW)* has been sent with is The Truth. Therefore, even if their requests are granted and

they are shown signs and miracles, they will still not become believers (Muslims) and will reject them as they have been rejected in the past.

Verse 110

وَنُقَلِّبُ أَفْـِٔدَتَهُمْ وَأَبْصَٰرَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهِۦٓ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِى طُغْيَٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

"And We will turn away their hearts and their eyes just as they refused to believe in it [i.e., the revelation] the first time. And We will leave them in their transgression, wandering blindly."

This verse elucidates the Sunnah of Allah *(SWT)* that whenever someone shows a constant hostile attitude towards His *(SWT)* Message or His *(SWT)* Messengers *(SAAW)*, even after knowing that it is The Truth, the result is that such a sinner's heart is hardened and his eyes are sealed (the rational faculties are no longer able to discern Truth from Falsehood), so that he indulges in evil and wickedness and there remains no hope or refuge for him. This shows that they still suffer from the same mentality which had made them reject the call of the Holy Prophet *(SAAW)* at the outset. Their outlook has undergone no change. The same mental confusion, the same opacity of vision which had kept them from developing sound understanding and a correct perspective still warps their understanding and clouds their vision.

==

And Allah *(SWT)* Knows Best!

امام یحییٰ بن شرف الدّین النّوویؒ کے مجموعۂ احادیث

اربعینِ نوویؒ رحمۃ اللہ علیہ

کی تشریح و توضیح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے خطاباتِ جمعہ

- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ بک پیپر
- معیاری طباعت
- 852 صفحات
- دو حصوں پر مشتمل ضخیم کتاب
- قیمت 600 روپے

خود پڑھیے ...... احباب کو تحفہ میں دیجیے!

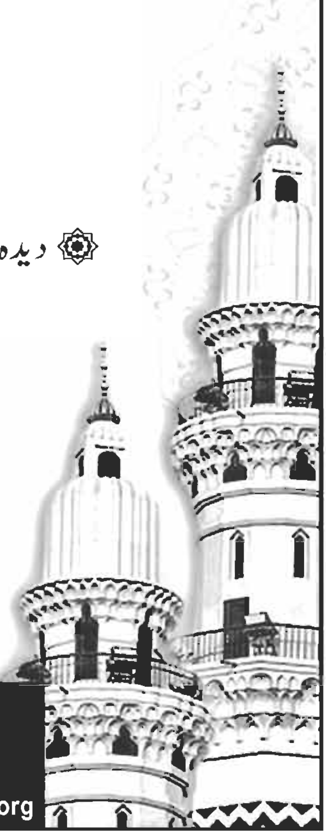

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501

email: maktaba@tanzeem.org website: www.tanzeem.org

Quarterly HIKMAT-E-QURAN Lahore
Jan - Mar 2020 Vol. 39 No. 1

مرکزی انجمن خُدّامُ القُرآن لاھور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ——— اور ——— غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ